Phone 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

جولائی 1964

شائع کردہ:

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵۔ بی۔ گلبرگ لاہور

قیمت ایک روپیہ

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بدلِ اشتراک
پاک و ہند سے سالانہ دس روپے
غیر ممالک سے سالانہ ایک پونڈ

قیمت فی پرچہ
پاک و ہند سے
ایک روپیہ

ٹیلیفون نمبر (۸۰۸۰۰)
★ خط و کتابت کا پتہ ★
ناظم طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور

★ جلد نمبر (۱۷) ◎ جولائی سنہ ۱۹۶۴ء ◎ شمارہ نمبر (۷) ★

فہرست مضامین

۱۔ لمعات ۔ ۲

اظہارِ تشکر (صفدر سلیمی) ۷

حقائق و عبر (ایک دہریئے کا دھرم) ۹

اجتہادی اختلافات (محترم رفیع اللہ صاحب) ۱۷

شاہ ولی اللہ کا نظریۂ انقلاب (مولانا عبید اللہ سندھی) ۵۷

مجلسِ اقبال ۶۵

بچوں کا صفحہ ۷۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

پاک بھارت کنفیڈریشن کی تجویز

اپنی رہائی کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے مسئلہ کشمیر کے موثر حل کی تلاش میں پاکستان اور بھارت کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی جو سعی و کاوش کی ہے۔ دونوں ملکوں کے عوام اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس سلسلے میں شیخ صاحب موصوف کچھ تجاویز لے کر پاکستان آئے اور یہاں ان کا پرجوش خیر مقدم بھی کیا گیا۔ ان تجاویز میں ایک ایسی تجویز بھی شامل تھی جس کے نتائج و عواقب سے آنکھیں بند کر لینا ممکن نہیں۔ اس تجویز کا مقصد یہ تھا کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے طور پر پاکستان اور بھارت میں ایک فیڈریشن یا کانفیڈریشن کی صورت پیدا کی جائے۔ شیخ محمد عبداللہ سالہا سال سے ایک نیشنلسٹ مسلمان کی حیثیت اختیار کئے ہوئے ہیں اور اسی حیثیت سے انہوں نے سالوں تک پنڈت نہرو آنجہانی کے ساتھ مل کر کام بھی کیا ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ ایک نیشنلسٹ ذہن اس تجویز کے دور رس نتائج اور اثرات کو پوری طرح سمجھنے کے قابل نہ ہو۔ لیکن جہاں تک ملت پاکستان کا تعلق ہے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اسے ایسی تجاویز کے تخریبی انجام سے پوری طرح آگاہ کر دیا جائے جو بظاہر صلح و اتحاد اور امن و آشتی کی شکر میں لپٹی ہوئی میٹھی گولیاں دکھائی دیتی ہیں لیکن ان کے اندر وہ تریاق کے رنگ کا زہر اور وہ سلو پائزن (slow pois on) موجود ہے جو خود مملکت پاکستان کی صحت سلامتی بلکہ اس کے وجود تک کے لئے جان کا لاگو بن جائے گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مملکت پاکستان کا وجود وقت اور حالات کے کسی سیاسی تقاضے کا رہین منت ہے کہ جونہی ایک نئی ضرورت اور نیا تقاضا سامنے آیا اس کے مطابق اس مملکت کی ضرورت و اہمیت بھی بدل گئی؟ کیا

پاکستان کے حصول کی جنگ محض ایک سیاسی کھیل تھا جو ہماری قوم نے سالہا سال تک کامیابی سے کھیلا اور اب وہ اس کے خلاف ایک نیا کھیل کھیلنے کی ضرورت محسوس کرتی ہے؟ کیا تشکیلِ پاکستان کے عواقب میں آگ اور خون کے جو سمندر بہہ گئے۔ عصمت و ناموس کے جو بے بہا خزانے لٹائے گئے۔ چپے چپے پر لاشوں کی جو سبیلیں کھائی گئیں وہ کسی وقتی اور ہنگامی مفاد کو پورا کرنے کے لئے تھیں اور اب کسی نئے مفاد کی بجا آوری کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا جائے؟ کیا اس برصغیر کی سرزمین میں نظریاتی اساس پر تحریک پاکستان کی جو عظیم الشان جنگ لڑی گئی وہ اس لئے تھی کہ جب بھی کوئی نیا ہنگامی تقاضا ابھر کر سامنے آئے ہم بساطِ سیاست پر اپنی مملکت کی آزادی اور سلامتی تک کی بازی لگا دیں؟

ہم نہیں جانتے کہ شیخ محمد عبداللہ یا ان کے ہم خیال حضرات کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب موجود ہے یا نہیں۔ لیکن جہاں تک ہمارا اور ہماری ملت کا تعلق ہے ہم ایک بار پھر دنیا کے سامنے ببانگ دہل یہ اعلان کرتے ہیں کہ تحریک پاکستان کے نام پر اپنی جداگانہ مملکت کے قیام کا جو انقلاب آفریں معرکہ ہم نے سرانجام دیا تھا وہ حالات کے کسی رسمی تقاضے کا پابند قطعاً نہیں تھا۔ یہ وہ آواز تھی جو قلبِ ملت کی گہرائیوں سے ابھری اور نفیرِ انقلاب بن کر اس برصغیر کی فضاؤں میں گونجی تھی۔ یہ صدیوں کے بعد اس تاریخی حقیقت کا غیر مبہم اور دو ٹوک اعلان تھا کہ اس برصغیر کے مسلمان یہاں کے ہندوؤں سے ایک الگ اور جداگانہ قوم ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایک قوم اور ملت کی اساس وطن، رنگ یا نسل کا اشتراک نہیں بلکہ یہ بنائے اشتراک اس تصورِ حیات (ideology) پر ایمان ہے جو خدا کا دین ہر مسلمان کو عطا کرتا ہے۔

ہم نے اپنے لئے اگر ایک الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کیا تھا تو اس لئے کہ خدا کے جس دین پر ایمان رکھتے ہوئے ہم ہندوؤں سے الگ ملت قرار پاتے ہیں وہ ایک نظامِ مملکت کی حیثیت سے خدا کی زمین پر اپنا تمکن اور غلبہ و استحکام چاہتا ہے۔ خدا کے اس دین پر ایمان لانے کا مقصود و منتہیٰ یہی ہے کہ اس کے عطا فرمودہ اصول و اقدار کے مطابق خدا کی زمین پر ایک معاشرہ متشکل ہو۔ اس معاشرہ میں انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی بجائے خالص قانونِ خداوندی کی کارفرمائی عمل میں آئے۔ ہر انسان، شرفِ انسانیت سے مالا مال ہو اور جس آزادی کی تلاش میں انسان صدیوں سے مارا مارا پھر رہا ہے اس کا شجرِ طیب پھلے پھولے اور برگ و بار لائے۔ الغرض ہندوؤں سے الگ مسلمانوں کے لئے جداگانہ مملکت کا قیام نہ تو وقت اور حالات کا کوئی ہنگامی تقاضا تھا۔ اور نہ یہ ہندوؤں سے کوئی سیاسی سودے بازی تھی۔ یہ ہمارے دین و ایمان کے بنیادی تقاضوں کی پکار تھی جسے لبیک کہتے ہوئے ہم نے انگریز اور ہندو دونوں سے جنگ مول لی۔ دونوں کی منظم قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ہر بڑے سے بڑے خطرے سے مردانہ وار برد آزما ہوئے اور ہر بڑے سے بڑے طوفان کا رخ موڑ دیا۔

تاریخ کا جائزہ لیجئے تو صاف دکھائی دے گا کہ اس جنگ کا آغاز سرسید علیہ الرحمۃ کے دور میں ہی ہو چکا تھا۔ اسی زمانے میں ہی سرسیدؒ کی عقابی نگاہیں یہ اندازہ لگا چکی تھیں کہ اپنے بنیادی نظریات و تصورات کے اعتبار سے ہندو اور مسلمانوں کی نفسیات ایک دوسرے سے اس قدر مختلف تھیں کہ ان دونوں کا مل کر چلنا ممکن نہیں تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اور یہاں کے نظامِ حکومت پر انگریز حکمرانوں کی گرفت کمزور پڑتی گئی ہندوؤں کے قلوب و اذہان پر سے نقاب الٹتے چلے گئے اور یہ حقیقت بیش از پیش نکھرتی اور ابھرتی چلی گئی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی منزلِ مقصود ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہے۔ اور یہ قطعاً ممکن نہیں کہ کسی نظامِ مملکت میں وہ ایک دوسرے کے شریک کار بن سکیں۔ پاکستان کا قیام اسی ناقابلِ انکار حقیقت کا جیتا جاگتا نشان تھا۔

اب جبکہ بھارت اور پاکستان کے نام پر ہر دو قومیں اپنی الگ مملکتیں متشکل کر چکی ہیں۔ ہر دو مملکتوں میں ایک دوسرے سے یکسر مختلف دو جداگانہ نظام نشوو ارتقاء حاصل کر رہے ہیں۔ سترہ سال کے تلخ واقعات اور مربوط حقائق نے یہ مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ تقسیم ہند کا فیصلہ کسی ہنگامی تقاضے کی پیداوار قطعاً نہیں تھا بلکہ یہ اس برصغیر کی اٹل تقدیر تھی جسے زمانے کا شرے سے بڑا انقلاب اب نہ بدل سکتا ہے اور نہ اس میں کسی ترمیم کی کوئی گنجائش پیدا کر سکتا ہے۔ تو ایسی صورت حال میں یہ تصور کرنا کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے تقدیر کے اٹل فیصلے بدل دیئے جائیں۔ چالیس پچاس لاکھ انسانوں کے مستقبل کی خاطر کوئی متفق علیہ بنیاد تلاش کرنے کے لئے وہ عمارت زیر و زبر کر دی جائے جو خالص دین کی بنیادوں پر اٹھی تھی اور قرآنی تصور حیات کے محکم سہاروں سے قائم کی گئی تھی۔ تو پھر اس انوکھی تجویز پر کس کے ذہنی افلاس کا ماتم کریں!

کیا یہ حقیقت نہیں کہ مسئلہ کشمیر کا قطعی اور سربسر منصفانہ حل ساری دنیا کے سامنے موجود ہے۔ دونوں ملک اس حل کو بطیب خاطر قبول کر چکے ہیں۔ یو۔ این۔ او اس حل پر کئی سال قبل سے مہر توثیق ثبت کر چکی ہے۔ خود کشمیر کے عوام اور ان کی نمائندہ جماعتیں اس حل کے سوا اور کوئی حل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور وہ حل ہے

اہل کشمیر کا حق خود ارادیت اور اس کی بنیاد پر استصواب رائے۔

جب مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل کے لئے متفق علیہ اور طے شدہ بنیاد موجود ہے تو اس کی موجودگی میں دونوں ملکوں کے درمیان کنفیڈریشن کے قیام کا آخر مقصد کیا ہے؟

اگر بھارت اپنی تازہ مصلحتوں یا ہٹ دھرمی کی بنا پر آج استصواب رائے کے فیصلے سے روگردانی اختیار کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ ایسے نئے اور متبادل حل تلاش کئے جائیں جو پاکستان کی بنیاد کو ہی اکھیڑ دیں۔ اگر شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھی یہ طاقت نہیں رکھتے کہ بھارت کو طے شدہ فیصلوں پر عمل درآمد کے لئے مجبور کر سکیں تو ان کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ وہ میدان سے ہٹ جائیں۔ کشمیری عوام کی جس قوت نے بھارتی حکمرانوں کو شیخ صاحب

اور ان کے ساتھیوں کے لئے جیل کے دروازے کھولنے پر مجبور کر دیا تھا وہی قوت طے شدہ فیصلوں پر عمل درآمد کا امکان بھی پیدا کرے گی۔

ہم یہ نہیں سمجھ سکے کہ استصواب رائے کے اس طے شدہ واضح حل کی موجودگی میں شیخ محمد عبداللہ صاحب نے مسئلہ کشمیر کے مزید نئے نئے حل تلاش کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی ہے اور اس شدتِ احساس میں وہ کیوں ایسی تجاویز دریافت کرنے پر اتر آئے ہیں جو حصول پاکستان کی اساس اور اس کی وجہ جواز تک کو سبوتاژ کر کے رکھ دیں۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان اس وقت تک کئی تنازعات ابھر چکے ہیں اور آیندہ بھی کئی ایسے مسائل سامنے آتے رہیں گے لیکن ان کا حل تلاش کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے لئے منفی اور تخریبی اندازِ فکر اختیار کیا جائے اور دونوں مملکتوں میں دوستی کی فضا پیدا کرنے کے لئے ان بنیادوں کو ہی زیروزبر کر دیا جائے جن سے پاکستان کا وجود اور سلامتی قائم ہے۔ خود مملکتِ پاکستان اس لئے وجود میں نہیں آئی تھی کہ جونہی اس برصغیر میں کوئی چھوٹا بڑا مسئلہ ابھرے اس کے حل کے لئے سب سے پہلے اس نوزائیدہ مملکت کی بنیادوں پر ہی ضرب کاری لگائی جائے۔ ہم پورے خلوص اور دیانتداری سے یہ چاہتے ہیں کہ مسئلہ کشمیر جلد از جلد حل ہو ــــ اور اس کا دو ٹوک حل استصواب رائے کے سوا کوئی اور ہو نہیں سکتا۔ لیکن گر کسی کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا تو اس کے لئے ہم یہ سوچنے تک کے روادار نہیں کہ دونوں مملکتوں میں کنفیڈریشن کی صورت کیونکر پیدا کی جائے۔ یہ طرزِ فکر نہ صرف مملکتِ پاکستان سے غداری کے مترادف ہے بلکہ ہمارے دین و ایمان کے ان تقاضوں کے منافی بھی جن کی بجاآوری کے لئے ہم نے اپنی اس جداگانہ مملکت کے حصول و قیام کا نعرہ بلند کیا تھا اس کے لئے سالہا سال تک جان توڑ جدوجہد کی اور بالآخر ذوالمنن کے فضل و کرم سے وہ مملکت ایک جیتی جاگتی درخشندہ حقیقت بن کر نقشۂ عالم میں ابھر آئی۔ اب یہ مملکت اپنی آزادی اور استقلال کی شایان شان روایات کے ساتھ ہمیشہ زندہ و سلامت رہے گی۔ اور اسے وقت اور حالات کے کسی بڑے سے بڑے تقاضے پر قربان کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

جو مملکتیں محض سیاسی مصالح کی بنا پر وجود میں آئی ہوں ان کے لئے کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا کہ جب سیاسی مصلحتوں کا تقاضا ہو تو وہ دوسری مملکتوں کے ساتھ فیڈریشن یا کانفیڈریشن قائم کر لیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنے آپ کو کسی دوسری مملکت میں مدغم ہی کر دیں۔ سیاسی مملکتیں اس کے سوا کیا ہیں کہ صفحۂ ارض کے نقشے پر چند لکیریں کھینچ دی گئی ہیں۔ جب دو مملکتوں کے درمیان اس خطِ امتیاز کو مٹا دیا جائے تو وہ مملکتیں ایک ہو سکتی ہیں۔ لیکن جس مملکت کا وجود اس حقیقت کا اعلان ہو کہ کفر اور اسلام، شرک اور توحید، باطل اور حق میں ادغام تو ایک طرف کسی قسم کا اشتراک نہیں ہو سکتا۔ وہ مملکت اپنے آپ کو کسی ایسی دوسری مملکت کے دامن کے ساتھ کیسے منسلک کر سکتی ہے جس سے وہ دین کی بنیادوں پر الگ ہوئی تھی۔ آپ کانفیڈریشن کو تسلیم کیجئے تو اس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہوں گے

کہ مملکت پاکستان سیاسی وجوہ کی بنا پر وجود میں لائی گئی تھی اور جب ہم اس حقیقت کا اعتراف کرلیں تو بھارت سے الگ مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کی وجہ جواز بھی ختم ہو جاتی ہے۔ کشمیر کے مسئلہ کے حل کے لئے آپ کنفیڈریشن کو تسلیم کر لیجئے توکل کو بھارت کی اقلیتوں پر مظالم کے مسئلے کے حل کے لئے دونوں مملکتوں کے باردگر ادغام کے لئے بھی تیار رہیئے۔

ہمیں امید ہے کہ شیخ محمد عبداللہ صاحب بھی دوبارہ اس قسم کی تجویز سامنے لانے سے پہلے اسے اچھی طرح سمجھ لیں گے کہ اس پر ملتِ اسلامیہ پاکستانیہ کا ردعمل کیا ہوگا اور جو لوگ پاکستان میں رہتے ہوئے اس قسم کی تجاویز کو درخورِ اعتنا سمجھتے ہیں انہیں بھی معلوم ہو جانا چاہیئے کہ اس سے وہ اس جھین کا اظہار کر رہے ہیں جو پاکستان کے وجود کے تصور سے انہیں چین کی نیند سونے نہیں دیتی۔ جو شخص پاکستان کے وجود کو دین کا تقاضا سمجھتا ہے وہ اس قسم کے تصور کو بھی کفر اور شرک سے کم نہیں سمجھتا۔

پرچہ پریس میں جا رہا تھا کہ ممتاز کشمیری راہنما خواجہ مبارک شاہ کا ایک بیان (پاک بھارت کنفیڈریشن سے متعلق) اخبارات میں شہ سرخیوں سے شائع ہوا۔ خواجہ مبارک شاہ، شیخ محمد عبداللہ صاحب کے رفقائے خاص میں سے ہیں۔ وہ شیخ صاحب کے ساتھ ہی پاکستان کے دورے پر آئے تھے لیکن ان کے ساتھ واپس جانے کے بجائے ایک ماہ تک پاکستان میں گھومتے پھرتے رہے۔ ۲۴ جون کی دوپہر کو جب وہ لاہور کے ہوائی اڈے سے نئی دہلی روانہ ہو رہے تھے تو انہوں نے پاک بھارت کنفیڈریشن سے متعلق اخباری نمایندوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ کہا وہ ملت پاکستان کے ہر فرد کے لئے ایک دعوتِ فکر ہے۔ ان کا نقطہ نظر ان کے اپنے الفاظ میں سنیئے:

> انہوں نے کہا کہ پاکستان ایک جدید لادینی ریاست کی تمام خصوصیات کا حامل ہے۔ اور چونکہ بھارت بھی ایک لادینی مملکت ہے اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور باہمی یگانگت پیدا کرنے کے لئے یہ ایک بنیاد موجود ہے۔
>
> (روزنامہ "مشرق" لاہور۔ ۲۵ جون ۱۹۶۴ء)

اس بیان کا ایک ایک لفظ ان اندیشہ ہائے دور دراز کی توثیق کر رہا ہے جن کا اظہار ہم نے سطور بالا میں کیا ہے۔ اور یہ حقیقت پوری طرح بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ہے کہ پاک بھارت دوستی کے نعرے بلند کر کے یہ حضرات پاکستان کے مستقبل کو کس صورتِ حال کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ انہوں نے تحریک پاکستان اور اس کے بعد قیامِ پاکستان کے ابتدائی ایام میں ہماری مملکتِ عزیز کے خلاف کس قسم کے کردار کا ثبوت دیا تھا اور اب جو دیکھا کہ (حسبِ سابق) پاکستان کی کھلم کھلا مخالفت کر کے وہ کشمیری عوام کے جہادِ حریت میں قیادت کا منصب حاصل نہیں کر سکتے تو ایک نیا بہروپ بدل کر آگے بڑھے ہیں اور مقصد پیشِ نظر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ صلح و اتحاد اور امن و آشتی کی اوٹ میں پاکستان پہ وہ ضرب کاری لگائی جائے جو اس کی اساس کو زیر و زبر کر کے رکھ دے۔

اظہارِ تشکر

(صفدر سلیمی)

اکثر احباب جانتے ہیں کہ کوئی ڈیڑھ سال قبل محترم پرویز صاحب پر حابس البول کے مرض کا جاں کاہ حملہ ہوا اور ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ مرض کا علاج جاری رہا لیکن گذشتہ ڈیڑھ سال میں کئی بار یہ حملے اس قدر آناً فاناً ہوتے رہے کہ زندگی کو ایک مستقل خطرہ لاحق ہو گیا۔ کئی ماہ تک ڈاکٹروں سے مشورے جاری رہے اور آخر یہ طے پا گیا کہ اپریشن کے بغیر اس موذی مرض سے مستقل طور پر نجات ممکن نہیں۔ محترم پرویز صاحب آجکل جس مشن کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں اس کی شرح و تفصیل کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ آج ملک کا ہر فرد (مخالف ہو یا موافق) اس سے آگاہ ہے۔ اپریشن کی صورت میں اس مشن کی رفتار میں التوا ناگزیر تھا اور مفکرِ قرآن اپنی فکری کاوشوں میں ادنیٰ التواء کے روادار نہیں تھے۔ لیکن بیماری کے ہاتھوں یہ سب کچھ لازمی قرار پا گیا اور خدا کا نام لے کر پرویز صاحب یکم جون کو ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب کے ہسپتال میں داخل ہو گئے۔ بہتر یہی سمجھا گیا کہ اس خبر کو عام نہ کیا جائے تاکہ قرآنی فکر سے ہم آہنگ احباب کو جو ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں ناحق تشویش نہ ہو ——— اور دوسری طرف پرویز صاحب کو علاج معالجہ کے دوران میں پورا سکون اور خاموشی میسر رہے۔ ان کوششوں کے باوجود احباب کے بعض حلقوں میں یہ اطلاع کسی نہ کسی طرح پہنچ گئی اور پشاور سے کراچی اور ڈھاکہ تک رفتارِ صحت کے متعلق استفسارات کا ایک تانتا بندھ گیا جو احباب کے خلوص اور قرآنی رشتہ کی گہرائیوں کا آئینہ دار تھا۔

ماہرین فن سرجنوں کی تجویز کے مطابق اپریشن کا سلسلہ دو مرحلوں سے گزرا۔ پہلا اپریشن ۲ر جون کو ہوا اور دوسرا، ۷ر جون کو۔ یہ مرحلے خدا کے فضل و کرم سے خوش اسلوبی سے طے پا گئے اور آہستہ آہستہ زخموں کے اندمال کے بعد ۲۰ر جون کو پرویز صاحب اٹھ بیٹھنے اور تھوڑا بہت چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ پریشانی کے مرحلے بخیر و خوبی گزر گئے ہیں اور یہ عظیم القدر مفکرِ قرآن جس کی زندگی قرآن کی آواز کو اقصائے عالم میں پھیلانے کے لئے وقف ہے جلد اس قابل ہو جائے گا کہ اپنے مشن کو لے کر رواں دواں آگے بڑھ سکے۔ لیکن اس کے ساتھ

ہی یہ وضاحت بھی اشد ضروری ہے کہ بیماری کے حملے اور دوا پریشانیوں کے باعث جو کمزوری لاحق ہوئی ہے اسکی تلافی کے لئے کافی وقت چاہیئے اور آرام بھی۔ چنانچہ محترم پرویز صاحب کے لئے کم وبیش دو ماہ تک یہ ممکن نہیں ہوگا کہ کچھ لکھنے پڑھنے کے قابل ہوسکیں اور طلوع اسلام ان کی گرانقدر خدمات سے استفادہ کرسکے۔
اس صورتِ حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اگست کے پرچے کی اشاعت روک دی جائے۔ اور اگست اور ستمبر کا مشترکہ شمارہ (جو دوگنی ضخامت پر مشتمل ہوگا) یکم ستمبر کو شائع کیا جائے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے قارئین کے لئے یہ طویل شدتِ انتظار بڑا دوبھر ہوگا لیکن ہم یہ امید کرسکیں گے کہ وہ اس صورتِ حال کو بہرحال گوارا فرمالیں گے۔

محترم پرویز صاحب بخلوص قلب ان تمام احباب کے شکر گزار ہیں جنہوں نے بذریعہ ڈاک صحت کے بارے میں اپنی بے تابیوں کا اظہار کیا یا انہیں ملنے کے لئے تشریف لائے اور ڈاکٹروں کی ہدایت کی بنا پر ان سے ملاقات کئے بغیر واپس لوٹنا پڑا۔ وہ بزم لاہور کے احباب کے بالخصوص شکر گزار ہیں جنہوں نے حسب ضرورت نہ صرف ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنے خون کی پیش کش کی بلکہ پرویز صاحب کو ہر ممکن سہولت مہیا کرنے کے لئے بھی دقت تگ و تاز رہے۔ باقی رہے ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب ان کے بے پناہ خلوص، محبت، قرآنی فکر سے عشق، جذب اور ایثار کے اظہار شکر کے لئے ہمارے پاس الفاظ ہی نہیں۔ یہ درحقیقت دونوں کا باہمی معاملہ ہے جس کا صحیح احساس اور اندازہ وہ دل ہی لگا سکتے ہیں۔ اس لئے میرے لئے اس کا اظہار ممکن ہی نہیں۔

مفکرِ قرآن کی سالہا سال کی مسلسل کاوشِ فکر و بصیرت کا

شاہکار

مفہوم القرآن

قرآنی حقائق کو سمجھنے اور سمجھانے کا یہ دل نشین اور بصیرت افروز سلسلہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے علمی حلقوں میں برابر مرکزِ توجہ بنتا جا رہا ہے۔ خدا کی آخری کتاب کے عالم آرا پیغام کو سمجھنے کے لئے اس سے پوری طرح استفادہ کیجئے۔ اسے ایک ایک پارہ کرکے شائع کیا جا رہا ہے اور اب تک ۱۰ پارے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا پارہ تین روپے (سستا ایڈیشن۔ ایک روپیہ)

ہر دوسرا پارہ۔ دو روپے فی پارہ — دس پارے مجلد۔ ۲۳ روپے

ادارہ طلوع اسلام ۲۵/۹۔ بی۔ گلبرگ۔ لاہور

حقائق و عبر

ایک دہریئے کا دھرم

بھارت کے وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اس دنیا سے رخصت ہو گئے - اور اپنے پیچھے بھارت کے کروڑوں ہندوؤں کو سوگوار چھوڑ گئے - یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ جواہر لال کو کانگرس اور ہندوؤں کی قیادت ورثہ میں ملی تھی - ان کے والد پنڈت موتی لال نہرو (نہرو رپورٹ کے مصنف) کانگرس کے چوٹی کے با اثر لیڈروں میں شمار ہوتے تھے اور ان کا دولتکدہ (جو آج بھی آنند بھون کے نام سے مشہور ہے) کانگرس کی سرگرمیوں کا مرکز چلا آ رہا تھا - پنڈت جواہر لال نہرو انگلستان سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے آئے تو ہندو سیاست کی مسندیں ان کے لئے چشم براہ تھیں - چنانچہ پنڈت جی کانگرس میں شامل ہو گئے - پہلے پہل کانگرس کے نوجوان عناصر نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور پھر انہیں "چالیس کروڑ ہندوستانیوں کی آواز" کہا جانے لگا - پنڈت جی شہرت کے پر لگا کر آسمانِ سیاست پر اڑنا چاہتے تھے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ تصنّع سے کام لیں اور بلا تفریق مذہب و ملت، ہندوؤں مسلمانوں، پارسیوں سکھوں سب کی آنکھوں کا تارا بن جائیں - چنانچہ انہوں نے بڑے دھڑلّے سے یہ اعلان کیا کہ ان کا ہندو دھرم سے کوئی تعلق نہیں - وہ ناستک ہیں اور آزاد خیال - اپنی مشہور کتاب "میری آپ بیتی" میں بھی انہوں نے مختلف انداز و اسالیب سے اس خیال کو عام کیا کہ وہ ہندو دھرم کی پیدا کردہ توہم پرستیوں سے بالاتر رہنا چاہتے ہیں اور ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے - لیکن ایک ہندو خواہ وہ دہاتما ہو یا کمیونسٹ اور سوشلسٹ - اسے کرید کر دیکھئے تو اندر سے کٹر فرقہ پرست ہندو نظر آئے گا - پنڈت جواہر لال نہرو کا بھی ہمیشہ یہی حال رہا - انہوں نے لاکھ کوشش کی لیکن جب بھی کوئی مرحلہ آیا وہ اس حقیقت کو چھپا نہ سکے کہ وہ سرتاپا ایک کٹر ہندو ہیں - ہندوؤں میں کتنی ہی فرقہ پرست مہاسبھائی جماعتیں موجود تھیں لیکن آپ یہ نہیں بتا سکتے کہ انہوں نے کبھی ان جماعتوں یا ان کے لیڈروں کی مذمت میں ایک لفظ کہا ہو - لیکن جونہی پنڈت جی نے یہ دیکھا

کہ اس برصغیر کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے قائد اعظمؒ کی قیادت میں اپنی تنظیم کا آغاز کر دیا ہے وہ غیض و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے اور پھر اسی غیض و غضب کے عالم میں وہ قائد اعظم، مسلم لیگ اور مسلمانوں کے خلاف جو جلے پھپھولے پھوڑتے رہے اس کا مقابلہ کوئی کٹر سے کٹر مہاسبھائی بھی کیا کر سکے گا۔

بہرحال عزت، شہرت، ناموری اور ہر دلعزیزی کی خاطر پنڈت جی نے زندگی بھر دہریت کا لبادہ اوڑھے رکھا اور اس سے ایک دنیا کو دھوکا دینے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ مثال کے طور پر چند سال قبل جب وہ سعودی عرب کے دورے پر گئے تو ہوائی اڈے پر ان کے اعزاز میں ختم نبوت پر ایمان رکھنے والوں نے "یا رسول السلام" کے نعرے بھی لگائے۔ اور ابھی ابھی پاکستان نیشنل اسمبلی کے ایک رکن مفتی محمود صاحب نے اسمبلی میں یہ انکشاف بھی کیا کہ مصر میں داور تو اور جامع ازہر کے شیخ عبد الجلیل صاحب پنڈت نہرو کو "مسلمان" سمجھتے ہیں۔ یعنی پنڈت جی نے جو عجیب و غریب لبادہ اوڑھ رکھا تھا اسے دیکھ کر مسلم ممالک کے اچھے خاصے "عالم فاضل" تک انہیں مسلمان سمجھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔"

لیکن حقیقت بہرحال حقیقت ہے۔ اسے کب تک چھپایا جا سکتا ہے۔ پنڈت جی کی موت نے اس نقاب کو ہمیشہ کے لئے الٹ دیا۔ موت سے قبل پنڈت جی نے جو وصیت نامہ لکھا اس کا ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ پنڈت جی دل کی گہرائیوں سے ہندو تھے اور خالص ہندو۔ ان کے نظریات، معتقدات اور خیالات میں وہ سب کچھ موجود تھا جو ایک ہندو کے دل و دماغ میں ہونا چاہیے۔ پنڈت جی کی وصیت کے مطابق ان کی راکھ کا ایک حصہ گنگا وجمن کے سنگم پر بہانے اور دوسرے حصوں کو "دھرتی ماتا" کے سینے پر ہوائی جہازوں سے بکھیرنے کا جو اہتمام کیا گیا اس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے۔

> نئی دہلی۔ ۸ جون۔ آنجہانی پنڈت نہرو کی راکھ کے پھولوں کو آج صبح ایک خاص گاڑی کے ذریعہ روانہ کر دیا گیا جہاں گنگا اور جمنا کے سنگم میں ان کی راکھ کو بہایا جائے گا۔ آنجہانی پنڈت نہرو کی راکھ کے پھولوں کی روانگی کے وقت نئی دہلی میں ہزاروں افراد نے پھولوں کو آخری بار "پرنام" کیا۔ اس خاص گاڑی میں بھارت کے صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن، وزیر اعظم گلزاری لال نندہ، مسز اندرا گاندھی اور ان کے دونوں بیٹے اور شیخ عبداللہ کے علاوہ بہت سے دیگر وزراء اور اعلیٰ سرکاری افسر بھی سفر کر رہے ہیں۔ اس موقع پر نئی دہلی ریلوے سٹیشن کو خوب سجایا گیا تھا۔ گاڑی کی روانگی سے قبل صدر بھارت ڈاکٹر رادھا کرشنن نے راکھ کے مرتبانوں پر پھول چڑھائے راکھ کے یہ مرتبان ایک خاص سفید رنگ کے ریل کے ڈبے میں رکھے گئے ہیں۔ بھارت کے نامزد وزیر اعظم مسٹر لال بہادر شاستری اور وزیر خزانہ

ٹی ۔ کرشنم اچاری آج سہ پہر بذریعہ ہوائی جہاز الٰہ آباد روانہ ہو گئے ۔ جہاں وہ کل صبح الٰہ آباد کے ریلوے اسٹیشن پر آنجہانی پنڈت نہرو کی راکھ کے مرتبانوں کا خیر مقدم کریں گے ۔

رائٹر کے نمائندے نے جو الٰہ آباد جانے والی اس خاص ریل گاڑی میں سفر کر رہا ہے لکھا ہے کہ ریل گاڑی کے خاص سفید ڈبے میں جہاں آنجہانی پنڈت نہرو کی راکھ کے مرتبان رکھے ہوئے ہیں، آنجہانی پنڈت نہرو کی بیوی کملا نہرو کی راکھ کا ایک صندوقچہ بھی رکھا ہوا ہے ۔ پنڈت نہرو کی بیوی کملا نہرو ۲۸ برس قبل انتقال کر گئی تھیں اور پنڈت نہرو نے ان کی راکھ کے صندوقچہ کو سنبھال رکھا تھا ۔ تاکہ اس کی راکھ کو بھی ان کی راکھ کے ساتھ بہایا جا سکے اور گنگا جمنا کے سنگم کی طرح نہرو اور کملا بھی ایک بار پھر آپس میں مل سکیں ۔ راکھ کا ملاپ ! اور دو آتماؤں کا ملاپ !

نمائندے نے مزید لکھا ہے کہ پنڈت نہرو نے کملا نہرو کی راکھ کو ۲۸ برس تک سنبھالے رکھا اور اب گاڑی کی روانگی کے وقت آنجہانی پنڈت نہرو کے خاندان کے افراد نے کملا کی راکھ کے چھوٹے سے صندوقچہ کو بھی پنڈت نہرو کی راکھ کے مرتبان کے ساتھ رکھ دیا ہے تاکہ پنڈت نہرو کی خواہش کو پورا کیا جا سکے ۔ نئی دہلی میں گزشتہ روز بھارت کے وزیر دفاع سٹروائی ۔ بی چاون نے آنجہانی پنڈت نہرو کی راکھ کے دیگر مرتبان وصول کئے ۔ پنڈت نہرو کی باقی ماندہ راکھ کو بھارتی فضائیہ کے طیارے ۱۲ر جون کو سرزمین بھارت (دھرتی ماتا) کے سینے پر بکھیر دیں گے ۔ تاکہ ان کی راکھ بھی بھارت کی مٹی کا ایک حصہ بن جائے، علاوہ ازیں ان کی راکھ کے بہت سے دیگر مرتبانوں کو بھارت کے مختلف شہروں میں بھیجا گیا ہے جہاں عوام اپنے رہنما کو آخری بار خراج عقیدت پیش کریں گے اور اس راکھ کو بھارت کے مختلف دریاؤں میں بہا دیا جائے گا ۔ یا بھارت کے مختلف علاقوں پر بکھیر دیا جائے گا ۔　　　　(کوہستان - ۸ر جون ۱۹۶۴ء)

یہ سب کچھ سامنے رکھئے اور پھر اس پر غور کیجئے کہ پنڈت جی کے اس زندگی بھر کے بلند بانگ دعوے میں کس قدر صداقت تھی کہ وہ "ناستک" ہیں اور ہندو دھرم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ۔ انسانی جسم کی اس راکھ کی حقیقت کیا ہے ؟ اسے ملک کے طول و عرض میں ہوائی جہازوں سے بکھیرنے میں کیا حکمت ملحوظ تھی ؟ اس سے بھارت کے کون سے مقاصد پورے ہو جانے تھے اور کونسی مشکل حل ہو جائے گی ؟ ان سوالات کا کوئی جواب ممکن نہیں ۔ پنڈت جی اپنے بلند بانگ دعووں کے اعتبار سے زندگی بھر ان توہم پرستیوں کے خلاف رہے لیکن جب موت قریب آئی تو انہوں نے اپنے آپ کو پورا توہم پرست

ثابت کر دیا - درحقیقت معاملہ توہم پرستی کا بھی نہیں بلکہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ پنڈت جی ہندو نفسیات کی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ اس قوم کا شخصیت پرستی کا جذبہ بہت جلد اچھے بھلے انسانوں کو دیوتاؤں کا درجہ دینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ پنڈت جی نے اپنی آخری وصیت سے صرف اتنا کیا ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں اپنی راکھ کے تھوڑے تھوڑے حصے پہنچا کر کروڑوں ہندوؤں کی عقیدت کے سوتے متحرک کر دیئے ہیں اور دنیا دیکھے گی کہ جہاں جہاں انکی راکھ کے چند ذرّے پہنچے وہاں[1] وہاں ان کی یاد میں مندروں کی تعمیر شروع ہو جائے گی اور ان مندروں میں دیوتاؤں کے جو بت رکھے جائیں گے ان میں ایک نئے بت کا اضافہ ہو جائے گا۔ یہ بت پنڈت جواہر لال نہرو کا بت ہو گا۔ جو زندگی بھر اپنے ناستک ہونے کا اعلان کرتے رہے اور ہندو دھرم سے قطع تعلق رکھا۔ لیکن مرنے کے بعد انہیں کروڑوں ہندوؤں کے دیوتا اور اوتار کا درجہ حاصل ہو گیا اور مندروں میں انکے بت کی پرستش شروع ہو گئی۔

یہ ہے ان لوگوں کا انجام جو اپنی زندگی میں (بظاہر) مذہب اور دھرم کی توہم پرستیوں کی مذمت کرتے اور ان سے قطع تعلق کئے رہے لیکن جب موت قریب آئی تو محض اپنی شہرت پسندی اور ناموری کی خاطر انہی توہمات کو اپنے وصیت نامے میں شامل کر لیا۔ یہ سب کچھ مذہب اور سیاست کی دنیا میں ہوا۔ صدیوں سے ہوتا چلا آیا اور ہوتا چلا جائیگا۔ یہ لوگ انسانی آزادی کے علمبردار کہلاتے تھے۔ اس آزادی کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دیتے رہے۔ لیکن دوسری طرف یہ رجحان بھی برابر ترقی پذیر رہا کہ نہ صرف اپنی زندگی میں بلکہ مرنے کے بعد بھی کس طرح کروڑوں زندہ انسانوں کو اپنی عقیدت کی زنجیروں میں جکڑے رکھیں۔

دنیا میں ایک ہی بارگاہ ہے جو نوع انسان کو ہر قسم کی تمام زنجیروں سے نجات دلاتی ہے اور وہ دین خداوندی کی بارگاہ عظیم ہے۔ تاریخ انسانی کے اس عظیم واقعہ کی یاد تازہ کیجئے جب وہ ذات اقدس و اعظم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس جہان رنگ و بو سے رخصت ہو رہی تھی جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہ اس سے قبل پیدا ہوئی اور نہ اس کے بعد یہ کبھی ممکن ہو گا۔ ہاں اس حادثہ قیامت میں اس قسم کی آواز بھی

[1] اخباری اطلاعات کے مطابق جنوبی ہند میں یہ سلسلہ شروع ہو بھی گیا ہے۔

سنائی دے رہی تھیں کہ جو کہے گا محمدؐ وفات پا گئے اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اس عالم میں حضور رسالت مآبؐ کا عظیم ترین شیدائی ابوبکر صدیقؓ نمودار ہوتا ہے اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ حضورؐ واقعی وفات پا چکے ہیں یہ اعلان کرتا ہے کہ

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ ...... فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ

اور محمدؐ بجز ایں نیست کہ ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول آئے۔ اگر یہ مر گئے یا قتل کر دیئے گئے تو کیا تم اپنی روش کہن کی طرف لوٹ جاؤ گے اور جو ایسا کرے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

قرآن کی یہ آیت فضا میں گونجتی ہے اور اس کے بعد مستقبل کا جانشین رسول پکار کر کہتا ہے کہ جو شخص محمدؐ کو اپنا معبود سمجھتا ہے وہ سن لے کہ محمدؐ وفات پا گئے۔ اور جو شخص خدا کو اپنا الٰہ حقیقی جانتا ہے وہ جان لے کہ خدا حی و قیوم ہے۔

انہی صدیق اکبرؓ کا واقعہ ہے کہ ان کی لختِ جگر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور نبی اکرمؐ کی دو چادریں جو حضورؐ نے ایک دو بار پہنی تھیں، سنبھال کر اس لئے رکھ چھوڑی تھیں کہ اپنے عظیم المرتبت باپ کی وفات پر ان کی تکفین کے لئے انہیں استعمال کیا جا سکے۔ چنانچہ جب امیر المومنین صدیق اکبرؓ کی رحلت کی ساعت قریب آئی تو حضرت عائشہؓ ان چادروں کو لے کر خدمت میں حاضر ہوئیں اور بتایا کہ حضورؐ کی یہ چادریں بطور تبرک انہوں نے مدت سے اسی دن کے لئے سنبھال رکھی تھیں۔ ان چادروں کی قدر و قیمت اس عاشق جاں باختہ سے زیادہ اور کس کے دل میں ہو سکتی تھی! لیکن ہوا کیا؟ اُمت کے سچے غمخوار اور نوع انسانی کے ایثار پیشہ خادم نے یہ سب کچھ دیکھا کچھ سوچا اور درد بھری آواز میں فرمایا

بیٹی! مُردوں سے زیادہ زندہ انسانوں کو ان نئے کپڑوں کی ضرورت ہوگی۔ میری تکفین کے لئے یہ جسم کا لباس کیا بُرا ہے!

اور اس کے بعد تاریخ انسانی کا عظیم قائد اپنے جسم کے کپڑوں میں دفن کر دیا گیا۔ قرآن کے علاوہ کوئی دوسری تعلیم اور نظریہ نہیں جو انسانوں کو شخصیت پرستی اور توہم پرستی کی پستیوں سے اٹھا کر عقائد کی ان بلندیوں تک پہنچا دے۔

اور پھر یہ بھی سوچئے کہ جس پنڈت جی کے قلب کی گہرائیوں میں ہندویت اس شدت سے پیوست تھی اس کا یہ دعویٰ کہ ہم ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ قائم کر رہے ہیں کتنا بڑا فریب تھا۔

کاتب کی ضرورت ہے
عربی، اردو یکساں کہنہ مشق کاتب کی ضرورت ہے۔ سات بجے سے بارہ بجے تک ملاقات ہو سکتی ہے۔ ادارہ طلوع اسلام - ۲۵-بی گلبرگ - لاہور

طلوع اسلام کا اگلا شمارہ

جیسا کہ الگ وضاحت کردی گئی ہے، طلوع اسلام کا آئندہ شمارہ جو اگست و ستمبر کا مشترکہ ایڈیشن ہوگا

یکم ستمبر کو شائع ہوگا

(اور ضخامت کے لحاظ سے ۱۶۰ صفحات پر مشتمل)

خریدار توجہ فرمائیں

چونکہ اگست کا شمارہ علیحدہ شائع نہیں ہوگا۔ بلکہ یکم ستمبر کو اگست اور ستمبر کا مشترکہ شمارہ شائع ہوگا

اسلئے

جن خریداروں کا سالانہ چندہ اگست ۔۔۔ میں ختم ہوگا اسی پرچہ کے ساتھ ان کو بھی اس امر کا اطلاعی کارڈ ارسال کیا جارہا ہے۔ اس کارڈ کو جلد سے جلد بغیر ٹکٹ لگائے (غیر ضروری شق کاٹ کر) سپرد ڈاک کردیجیے۔ ہم ۱۵ جولائی تک ان کارڈوں کی واپسی کا انتظار کریں گے اور اس کے بعد ایک پُرانا پرچہ بذریعہ وی۔پی برائے دس روپے پچاس پیسے ارسال کریں گے جس کی وصولی آپ کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔ (ناظم ادارہ)

پاکستانی صنعت کی ایک فخریہ پیشکش!

نبی ہوزری

کے تیار کردہ بنیان (گنجیاں) موزے انڈر ویر۔ باڈی۔ بلاؤز۔ اور دیگر اشیاء خاص و عام میں ہر جگہ مقبول اور دستیاب ہیں۔ نبی ہوزری کی مقبول عام مصنوعات کو اپنی پائیداری۔ دلکشی۔ زیبائش اور مناسب قیمتوں کے اعتبار سے ہر حلقہ میں بڑی شہرت حاصل ہے۔ (۱) گلاب گولڈ برانڈ (۲) تالا اور چابی برانڈ (۳) مرغا برانڈ (۴) نائیلون کی جرابیں۔ ہوزری کا سامان خریدتے ہوئے "نبی ہوزری" کا امتیازی مارک یاد رکھیے۔

(مغربی پاکستان میں معقول کمیشن پر ایجنٹوں کی ضرورت ہے) خواہش مند حضرات بذریعہ خط وکتابت رجوع فرمائیں۔

فون ۳۰۲۱ گرام "نبی ہوزری"

نبی ہوزری

آفس ۳۸۔ کالی چرن سا ہا روڈ۔ ڈھاکہ

برانچ ۲/۳ سکھاری نگر لین۔ پوسٹ فرید آباد۔ ڈھاکہ ۱/۴ لیاقت ایونیو۔ نرائن گنج (مشرقی پاکستان)

وہ کتاب جس کا ایک مدت سے انتظار تھا — نئے حسنِ ترتیب سے پھر شائع ہو گئی یعنی

قرآنی فیصلے

ہماری زندگی کے مختلف معاملات کے بارے میں خدا کی کتاب کا فیصلہ کیا ہے اس سے متعلقہ استفسارات اور ان کے جوابات طلوعِ اسلام میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں ان کا مجموعہ "قرآنی فیصلے" کے نام سے شائع ہوا اور ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ اس کے نئے ایڈیشن کے لئے تقاضوں کی بھرمار رہی۔ دس گیارہ سال کی اس مدت میں استفسارات اور ان کے جوابات کا یہ سلسلہ اشاعت طلوعِ اسلام میں برابر ترقی پذیر رہا۔ اور اب انہیں یکجا کر کے حسبِ ضرورت ایک نئی ترتیب دی گئی ہے اور اندازہ ہے کہ یہ تین جلدوں میں سما سکے گا۔ چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی جلد چھپ کر آ گئی ہے اور بڑی حد تک نئے موضوعات پر مشتمل ہے۔ چند عنوانات حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ نماز اور صلوٰۃ میں کیا فرق ہے۔	۱۰۔ طلاق۔ مہر۔ عدت وغیرہ کے احکام کیا ہیں۔
۲۔ نمازوں کی تعداد۔ رکعات۔ اوقات۔ ارکان وغیرہ کیسے متعین کئے جائیں گے۔	۱۱۔ کیا عورتوں کو حکومت میں شریک کیا جا سکتا ہے؟
۳۔ رسول اللہ صلعم کس طریق سے نماز پڑھتے تھے؟	۱۲۔ عقیقہ۔ ختنہ۔ منگنی۔ رخصتی۔ تجہیز و تکفین کے شرعی احکام کیا ہیں؟
۴۔ مختلف فرقوں کی نمازوں میں فرق۔	۱۳۔ حرام اور حلال کیا ہے؟
۵۔ روزے کے احکام کیا ہیں۔ تراویح کتنی پڑھنی چاہیئے۔ لیلۃ القدر کی رات کون سی ہوتی ہے	۱۴۔ کیا شراب حرام ہے؟
۶۔ حج سے کیا مقصود ہے۔	۱۵۔ ریس میں شرط لگانا۔ برج کھیلنا۔ لاٹری ڈالنا کیسا ہے
۷۔ قربانی کی حقیقت کیا ہے؟	۱۶۔ موسیقی (گانا سننے) کے متعلق کیا حکم ہے؟
۸۔ زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟	۱۷۔ کیا تصویر کھنچوانا ناجائز ہے؟
۹۔ نکاح کا طریقہ کیا ہے؟	۱۸۔ سنیما دیکھنا چاہیئے یا نہیں؟
	۱۹۔ شب برات کیوں منائی جاتی ہے؟

کتاب کی عام اشاعت کے پیشِ نظر اس کا سستا ایڈیشن شائع کیا گیا ہے

ضخامت ۳۳۶ صفحات — کیس بورڈ کا کور — قیمت صرف سوا تین روپے

جلد منگوا لیجئے کیونکہ سستا ایڈیشن شاید دوبارہ شائع نہ ہو

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵/بی - گلبرگ - لاہور

ایک معرکہ آرا تصنیف

سلسبیل

"فردوسِ گم گشتہ" کے بعد پرویز صاحب کے اہم مضامین کا بصیرت افروز مجموعہ شائع ہو چکا ہے
فرمائشوں کی تعمیل ان کے موصول ہونے کے مطابق ہو رہی ہے۔ جلد منگوا لیجیے ورنہ اگلے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہوگا۔

فہرست عنوانات حسب ذیل ہے

عبادت	قرآن کے باطنی معانی
نظریۂ ارتقاء اور قرآن	اسلام کیا ہے؟
نجات	اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
ثواب	دینِ خداوندی کے دشمن
زکوٰۃ	انسان
میثاقِ خداوندی	شرک
مملکت کا قرآنی تصور	ایک نورانی صبح
لاہور کا ایک علمی مذاکرہ	وہ مردِ درویش
انسان اور خارجی کائنات	لارڈ مسٹر بریٹرنڈ رسل سے ایک ملاقات
اردو زبان میں نماز	پروفیسر ٹوئن بی سے چھ سوالات۔

کتاب سفید پرنٹنگ پیپر پر چھپی ہے۔ کتابت طباعت دیدہ زیب۔ صفحات ۳۵۲۔ قیمت مجلد آٹھ روپے

ملنے کا پتہ:- ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵/ بی - گلبرگ - لاہور

محترم رفیع اللہ صاحب

اِجتہادی اِختلافات

(شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا)

آج کل ایک اہم موضوع پر جمہور کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ موضوع ہے علماء کا اختلاف۔ مقامِ شکر ہے کہ ہمارے علمائے کم از کم یہ تو محسوس کر لیا ہے کہ یہ اختلافات امت کے سوچنے والے طبقہ کو پریشان کر رہا ہے۔ چنانچہ مختلف پہلوؤں سے اس کی وضاحت کی جارہی ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کہ علماء کا یہ اختلاف امت کے لئے سراسر رحمت ہے۔ مختلف لوگ اگر مختلف ائمہ مجتہدین کے اقوال کو اپنے لئے حجت سمجھتے ہیں تو یہ حق بات ہے۔ کیونکہ ان تمام صالحینِ امت کا سرچشمہ کتاب و سنت تھا۔ جیسا کہ نبی صلعم سے ایک روایت میں بیان کیا جاتا ہے۔

روی الطبرانی مرفوعاً انّ شریعتی جاءت علی ثلثمائۃ و ستین طریقۃ ماسلک احد" طریقۃ" منہا الا نجا۔

طبرانی نے یہ فرمانِ نبویؐ نقل کیا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ تین سو ساٹھ طریقوں کے مطابق آئی ہے۔ ان میں سے کوئی سا طریقہ بھی اختیار کر لینا نجات کے لئے کافی ہے۔[1]

(کتاب المیزان للشعرانی جلد ۱ صفحہ ۲۸)

---

[1] مضمون کے آخر میں "استدراک" ملاحظہ فرمائیے۔ (طلوع اسلام)

اس لئے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے قول پر عمل کر لیا جائے تو اس سے شریعت کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ کیونکہ ان حضرات نے ان مسائل کا استنباط قرآن و سنت سے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق کیا تھا جس میں اختلاف ناگزیر تھا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ باتیں محض نظری طور پر کی جاتی ہیں۔ عملی طور پر اس اصول کی سخت مخالفت کی جا رہی ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں جو عائلی قوانین نافذ ہوئے ہیں ان کی بیشتر دفعات کسی نہ کسی ائمہ مجتہد کے قول پر مبنی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہیں خلاف اسلاف قرار دیکر ان کی سخت مخالفت کی گئی۔ یہ ٹھیک ہے کہ کچھ حضرات کی مخالفت سیاسی قسم کی تھی۔ لیکن بہت سے لوگ اس مخالفت میں اس لئے شریک ہو گئے کہ وہ ائمہ مجتہدین کے اقوال سے پوری طرح باخبر نہ تھے۔

اسی طرح اور بھی بیسیوں ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں اگر ائمہ مجتہدین کے ایسے اقوال لوگوں کے سامنے آجائیں تو ان سے بہت سی باتیں صاف ہو سکتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے ہم مندرجہ ذیل تیس کے قریب اہم مسائل پر ائمہ مجتہدین کی آراء کو پیش کرتے ہیں۔

۱ - خلافت کے لئے قرشیت کی شرط
۲ - حاکم عادل اور اجتہاد
۳ - اجماع امت
۴ - تقلید
۵ - جمعہ کے لئے حکومت کی اجازت
۶ - نکاح اور شہادت نکاح
۷ - نکاح کی عمر
۸ - تعدد ازواج
۹ - مسئلہ کفو
۱۰ - نکاح شغار
۱۱ - طلاق ثلاثہ
۱۲ - حلالہ یا تحلیل
۱۳ - طلاق اور خلع
۱۴ - مفقود الزوج عورت کا مسئلہ
۱۵ - عدت
۱۶ - جمعہ اور عید کا ایک دن ہونا
۱۷ - صدقۃ الفطر
۱۸ - عبادات پر اُجرت لینا
۱۹ - مسئلہ قربانی
۲۰ - رہن
۲۱ - پردہ
۲۲ - ڈاڑھی کا مسئلہ
۲۳ - مضاربت
۲۴ - سود
۲۵ - شراب نوشی کی حد
۲۶ - چوری کی سزا
۲۷ - حد زنا
۲۸ - بادشاہ کے خدائی حقوق
۲۹ - محراب مسجد
۳۰ - تصویر کا شرعی حکم

۱- خلافت کے لئے قرشیت کی شرط

اس مضمون کی کئی احادیث پیش کی جاتی ہیں کہ اسلام میں خلافت صرف قریش کا حق ہے۔ اور کوئی دوسرا شخص مسلمانوں کا خلیفہ نہیں بن سکتا۔ تاہم چونکہ یہ اصول اسلامی مساوات کے خلاف تھا اس لئے علما مختلف زمانوں میں اس کی مختلف تاویلات کرتے رہے ہیں۔ معتزلہ اور خوارج کے نزدیک تو یہ نظریہ ہی سرے سے باطل ہے اور بعض کا نظریہ اس سے بھی زیادہ ترقی پسندانہ ہے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

"بعض لوگوں کا خیال بالکل ہی جدا ہے کہ امام کا تقرر نہ عقل کی رُو سے واجب ہے نہ شرع کی رُو سے۔ معتزلہ میں سے اصم اسی خیال کا پیرو ہے اور بعض خوارج وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔"

(مقدمہ ابن خلدون نور محمدی صفحہ ۲۲۰)

جو بزرگ خلافت کے قرشیت کی شرط تسلیم نہیں کرتے وہ حضرت عمرؓ کا یہ قول پیش کرتے ہیں۔

"تاسف (عمرؓ) علی سالم مولی ابی حذیفة و قال لو کان حیاً لم یختلجنی فیه شك۔"

حضرت عمرؓ نے سالم مولی ابی حذیفہؓ کے بقید حیات نہ ہونے پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ کاش اگر وہ زندہ ہوتے تو مجھے ان کے خلیفہ مقرر کرنے میں کسی قسم کا کوئی شک نہ ہوتا۔

(المنهاج السنة لابن تیمیه جلد ۲ ص ۱۵۸)

حضرت سالم، قریشی تو درکنار نسلاً عربی بھی نہیں تھے۔ بلکہ بالاتفاق عجمی تھے اور وہ بھی کوئی آزاد عجمی نہیں بلکہ ابو حذیفہؓ یا ان کی بیوی کے آزاد کردہ غلام۔ (میثاق لاہور بابت دسمبر ۵۹ صفحہ ۳۲)

تمام علمائے اس واقعہ کو نقل کیا ہے چونکہ واقعہ صحیح تھا اس لئے انکار تو نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن اکثر حضرات نے تو اسے صرف نقل کر کے چھوڑ دیا۔ اور اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ علامہ ابن خلدون نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"کبھی یہ لوگ[1] حضرت عمرؓ کے اس قول سے دلیل لاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

۔ کہ اگر سالم مولی حذیفہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کر دیتا۔ حالانکہ یہ کلام ان کے مفید مطلب نہیں کیونکہ صحابی کا مذہب ہمارے لئے حجت نہیں۔"

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۲۳ - ۲۲۲)

لیکن اس کے باوجود خود علامہ صاحب بھی اس اصول سے مطمئن نظر نہیں آتے (کہ خلافت کے لئے قرشیت کی

[1] یعنی وہ علماء جو خلافت کے لئے قرشیت کی شرط تسلیم نہیں کرتے۔ ۱۲

شرط ہے)۔ اور جس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے اس کی یہ تاویل پیش کرتے ہیں۔

"لہٰذا اس قرشیت کی شرط میں کوئی اور مصلحت بھی ہونی چاہیئے جو اصل غرض کا کام دے۔ جب بات کو اور گہرائی سے تو دیکھا جائے تو عصبیت پر آکر نظر جمتی ہے کہ یہاں اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے حمایت و مطالبہ ممکن ہے۔ اور اسی کی بدولت امام کے بارے میں نزاع و اختلاف اٹھ جاتا ہے۔ اور ساری امت اسکو بطمانیت قلب تسلیم کر لیتی ہے۔" (ایضاً ۲۲۳)۔

اور پھر اس تاویل کے ذریعہ قرشیت والی شرط اڑا دیتے ہیں۔

"مگر اب قریشی عصبیت مفقود و معدوم ہو چکی ہے۔ اب اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ ہر ملک میں اس شخص کو امیر و امام بنایا جائے جس کی عصبیت ملک میں غالب و باشوکت ہو" (ایضاً ص ۲۲۴)۔

اس شرط کے مخالف یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔

وعن ام الحصین الاخمیسۃ انہا سمعت النبی صلعم یقول اسمعوا واطیعوا وان امّر علیکم عبدٌ حبشیٌ ما اقام فیکم کتاب اللہ عزوجل رواہ الجماعۃ الا البخاری۔ (نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۲۷۴)

رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اگر ایک حبشی کو بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو جب تک کہ وہ تم میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو قائم کرے۔

اس کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ اس سے مراد ماتحت امیر ہیں نہ کہ خلیفہ۔ خلافت کے متعلق اولین بحث جو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی اس کی پوری پوری تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس میں نہ حضرت ابوبکرؓ نے اور نہ ہی حضرت عمرؓ نے خلافت کے لئے قرشیت کی شرط والی حدیث بطور سند پیش کی گئی۔ بلکہ سارے قصہ میں کہیں اس کا ذکر تک نہیں۔ حالانکہ اس کا صحیح مقام وہ تھا۔ تاریخ کی سب کتابوں میں گیارہ ہجری کے واقعات میں حضرت عمرؓ کے صرف مندرجہ ذیل الفاظ ملتے ہیں۔

واللہ لا ترضی العرب ان یؤمروکم ونبیھا من غیرکم ولکن العرب لا تمتنع ان تولی امرھا من کانت النبوۃ فیھم وولی امورھم منھم۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۰۹ السنۃ الحادیۃ عشرۃ)

"اے گروہ انصار! اللہ کی قسم اہل عرب آپ کو امیر بنانے پر راضی نہ ہوں گے جب تک ان کا نبی دوسرے قبیلہ سے ہو۔ ہاں جس گھرانے میں نبوت ہے ان سے خلیفہ مقرر کرنے پر ان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

چنانچہ بڑی لمبی چوڑی بحث کے بعد مصالحت کے لئے مختلف صورتیں پیش ہوئیں۔ حضرت خبابؓ

نے فرمایا و انّ اَیُّ القوم نبیّنا الامیر و منھم امیر
کہ ایک امیر ہم سے ہو اور ایک قریش سے۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے یہ فرما کر اسے رد کر دیا۔

فقام عمر رضی اللّٰہ فقال ھیھات لا یجتمعُ سیفانِ فی غَمْدٍ واحدٍ۔

آپ نے فرمایا کہ ایک میان میں دو تلواریں کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔

(الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ صفحہ)

آخری فیصلہ اس بات پر ہوا۔

نَحْنُ الامراءُ و انتم الوزراء لا نَفتاتُ دونکم بمشورۃٍ ولا تنقضی دونکم الامور۔ (ایضاً)

کہ امیر تو ہم سے یعنی قریش سے ہوں گے اور وزیر انصار سے۔ ہم تمہارے مشورہ کے بغیر نہ ہی تو کوئی فیصلہ کریں گے اور نہ ہی تمہاری اجازت کے بغیر کوئی اہم کام طے ہو گا۔[1]

تاہم حضرت سعد بن عبادہؓ نے جن کی خلافت کے متعلق پہلے فیصلہ ہو چکا تھا اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اعلانِ مخالفت کیا۔ وہ حضرت عمرؓ فاروق کے زمانے میں شام چلے گئے جہاں انہوں نے وفات پائی۔[2]

یہ بات حیطہ خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ انصار جنہوں نے حضور صلعم کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا حدیث رسولؐ کے خلاف ایسا طرز عمل اختیار کرتے۔ ضمناً حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا قول (لا یجتمعان سیفان فی غمدٍ واحدٍ) سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ ایک ملک میں

---

[1] خلافت کے لئے "قرشیت" کی شرط کا سوال اب محض نظری بحث کا موضوع رہ گیا ہے لیکن غور کیجئے کہ جب اس کا تعلق امت کے اس قدر اہم اجتماعی مسئلے سے تھا تو ان سوچنے والوں میں سے کسی کی نگاہ قرآن کریم کے اس اصول کی طرف نہیں جاتی تھی کہ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم۔ (تم میں سے سب سے زیادہ واجب التکریم وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہے)۔ اس اصول کی روشنی میں دیکھا جاتا تو صاف معلوم ہو جاتا کہ یہ حدیث وضعی ہے۔ (طلوع اسلام)

[2] صاف نظر آتا ہے کہ تاریخ کا یہ واقعہ صحیح نہیں۔ کیا آپ باور کر سکتے ہیں کہ حضرت سعدؓ جیسے برگزیدہ صحابی کی یہ کیفیت ہو گی کہ اگر وہ خلیفہ منتخب نہیں ہوئے تو روٹھ کر بیٹھ گئے۔ بلکہ مدینہ منورہ کو چھوڑ کر شام چلے گئے۔ یا للعجب! حقیقت یہ ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی جو تفاصیل تاریخ میں مذکور ہوئی ہیں ان میں بڑی غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ (طلوع اسلام)

ایک وقت میں ایک ہی امیر ہو سکتا ہے۔ لیکن ہماری حالت بھی عجیب ہے کہ ایک ہی وقت میں ہمارے ہاں چار چار پانچ پانچ امیر ہیں۔ میری مراد مختلف قسم کی سیاسی اور دینی جماعتوں کے سربراہ ہیں جن کے عہدہ کا نام امیر ہے۔ معلوم نہیں ان حضرات نے امیر کے معنی کیا سمجھ رکھے ہیں:

(۲) حاکم اور اجتہاد

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی ملک میں کس کے اجتہاد پر عمل کیا جائے گا۔ اور اجتہاد کا حق کس کو ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے۔

احکام اسلامی کی اصل بنیاد قرآن مجید ہے۔ حضور اکرم صلعم مقدمات کے فیصلے کے لئے قرآن مجید کی طرف ہی رجوع فرماتے تھے۔ جن معاملات میں وحی کی طرف کوئی وضاحت نہ ہوتی تو آپ صحابہؓ سے مشورہ لیتے اور بعض احکام میں آپ اجتہاد فرماتے تھے۔ بغوی نے میمون بن مہران سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ کے پاس کوئی مقدمہ آتا تھا تو آپ بھی سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر مقصود مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتے اس کے بعد دربار نبویؐ کے فیصلوں کو مدنظر رکھتے اگر کچھ نہ ملتا تو عامۃ المسلمین سے اپنی مشکل کا ذکر کرتے اور ان سے رسول اللہ صلعم کا فیصلہ دریافت کرتے۔ کبھی کبھی بہت سے لوگ آکر رسول اللہ صلعم کے فیصلے سے آگاہ کرتے ورنہ امت کے صالح افراد کو جمع کر کے مشورہ لیتے اور متفقہ رائے کے مطابق فیصلہ کرتے۔

حضرت عمرؓ فاروق کا دستور العمل بھی یہی تھا۔ وہ قرآن اور دربار نبویؐ کے فیصلوں کے علاوہ ابو بکرؓ صدیق کے عمل کو بھی سامنے رکھ کر فیصلہ کرتے اگر ان سے کچھ رہنمائی نہ ملتی تو صالحین امت کے متفقہ فیصلہ پر عمل کرتے تھے۔

(تاریخ القضاء فی الاسلام باب مرجع القاضی فی احکامہ)

اسلام کے ابتدائی دور میں ایک ہی شخص والی اور قاضی کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ فاروق اعظمؓ نے علیحدہ قاضی بھی مقرر کئے۔ تاہم ان قاضیوں کا کام مختصر نوعیت کا تھا۔ یہ قاضی صرف شہری جھگڑوں کو نپٹاتے تھے۔ قصاص اور حدود کے مقدمات کا فیصلہ خلفاء خود کرتے تھے (ایضاً اختصاص القاضی فی ہذا العصر)

لہ ٹھیک ہے۔ جب کوئی حکومت مسلسل آگے چلتی جائے تو سابقہ حکومتوں کے فیصلے آنے والوں کے لئے نظائر بنتے ہیں۔ اسلامی حکومت میں قانون کی بنیاد قرآن پر ہوتی ہے اور جزئیات میں سابقہ حکومتوں کے فیصلے نظائر کا کام دیتے ہیں جن میں تبدیلیٔ احوال سے مناسب تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔ (طلوع اسلام)۔

لیکن جب کسی قاضی کو قرآن مجید اور رسول اللہ صلعم اور خلفاء کے فیصلوں کی نظیریں نہ ملتی تھیں تو وہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے۔ بلکہ اس کے لئے وہ خلیفۂ وقت کے اجتہاد کے مطابق تصفیہ کرتے ———

تاریخ القضا فی الاسلام میں لکھا ہے۔

"قاضی اہم مسائل، خلیفہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے ان کی طرف ارسال کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے قاضی عیاض بن عبداللہ نے حق شفعہ کے متعلق خلیفہ کا حکم دریافت کیا۔ اس سے پہلے قریبی پڑوسی پھر اس کے قریب کے پڑوسی کے حق میں فیصلہ دیا جاتا تھا تو آپ نے جواباً لکھا کہ اب یہ حق صرف شریک ہی کو دیا جائے اور ساتھ ہی لکھا کہ جب میراث میں مختلف شرکائے کے واضح حصے مقرر کر دیئے گئے اور لوگوں کے اپنے گھروں اور زمینوں میں جانے کے لئے علیحدہ علیحدہ راستے ہوں تو پھر حق شفعہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے مسئلہ میں ایک ایسی عورت کی دیت کے متعلق وضاحت چاہی جو کسی راہ رو کے گھوڑے کی وجہ سے جاں بحق ہو گئی ہو اور اس شخص کے رشتہ دار دیت دینے سے انکاری ہوں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ حکم لکھ کر بھیجا کہ دیت اس کے رشتہ داروں پر ہوگی۔ اس کے علاوہ بھی قاضی نے بہت سے مسائل دریافت کئے۔" (ایضاً باب مرجع القاضی فی احکام)

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی حکومت میں مشتبہ معاملات میں معروف و منکر کا فیصلہ کرنے کا اختیار صرف خلیفۂ[1] وقت کو ہوگا۔ احادیث بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہیں۔

عن عمرو بن العاص أنّهٗ سمعَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول إذا حکم الحاکمُ فاجتہد فاصاب فلہٗ اجرانِ وإذا حکم فاجتہد فاخطأ فلہٗ اجرٌ قال یزید فحدثتُ بھذا الحدیث ابابکر بن حزم فقال ھکذا حدثنی ابوسلمۃ بن عبدالرحمان عن ابو ھریرۃ

قال الشافعی ومعنی الاجتہاد مِنْ الحاکم إنّما یکونُ بعد ان لا یکونُ فیما یریدُ القضاء فیہ کتاب ولا سنۃٌ ولا امرٌ مجتمع علیہ۔

(ترجمہ) حضرت عمر بن عاص سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلعم کو یہ فرماتے سنا کہ حاکم جب

---

[1] آج کی اصطلاح میں مرکزی حکومت کو۔ (طلوع اسلام)۔

اجتہاد کرے اور ٹھیک فیصلہ پر پہنچ جائے تو اس کو دوگنا ثواب ملے گا لیکن اگر اس کے اجتہاد کرنے میں غلطی ہوئی تو ایک حصہ ثواب کا پھر بھی حقدار ہو گا۔ یزید کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابوبکر بن حزم کو سنائی تو انہوں نے بتایا کہ انہیں بھی یہ حدیث ابوہریرہؓ سے ابوسلمہ کے واسطے سے پہنچی ہے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حاکم جس مسئلہ کا فیصلہ چاہتا ہے وہ اجتہاد صرف اسی صورت میں کرے گا جب کہ وہ مسئلہ کتاب و سنت میں نہ ہو گا۔ اور نہ ہی اس پر اجماع ہو

(کتاب الام۔ جلد ششم صـ۲۰۳)

ان تمام واقعات اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہو جائے جس کے متعلق قرآن، حدیث اور اجماع سے کچھ نہ ملے تو اس کے معروف و منکر ہونے کا فیصلہ صرف خلیفۂ وقت کریگا۔ اور اس مقصد کے لئے وہ اہل علم کے مشورہ سے مستفید ہو سکتا ہے۔

(۳) اجماعِ اُمّت

آج کل قرآن و سنّت کی طرح اجماع امت کا لفظ بھی بار بار زبانوں پر سنائی دیتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی واضح تعریف کسی کے ذہن میں بھی نہیں۔ ائمہ کے درمیان بھی اس بارے میں سخت اختلاف ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک اجماع امت کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر صرف مدینہ شریف کے اہل علم متفق ہوں۔

وقال مالک لیشرط فیہ کونھم من اھل المدینۃ (نورالانوار صفحہ ۲۲۰)

بعض ائمہ کے نزدیک اجماع سے مراد کسی مسئلہ پر صرف صحابہ کا اجماع ہے۔

قال بعضھم لا اجماع الا للصحابۃ۔ (ایضاً)

اور بعض اس کا حقدار صرف اہل بیت کو ہی سمجھتے ہیں۔

وقال لا اجماع الا لعترتہ (ایضاً)

احناف کے نزدیک اجماع کی تعریف یہ ہے۔

وھو فی اللغۃ الاتفاق وفی شریعۃ اتفاق مجتھدین الصالحین من امۃ محمدؐ فی عصر واحد علی امر قولی او فعلی (ایضاً صفحہ ۲۱۹)

اجماع کے لغوی معنی اتفاق ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس سے کسی زمانے میں امت مسلمہ کے نیک ائمہ کا کسی قولی یا فعلی مسئلہ پر اتفاق مراد ہے۔

اسی مضمون میں مختلف مسائل کے تفصیلی احکام ملاحظہ کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ ایسے مسائل کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

تاہم مجتہدین کی شرط بھی صرف انہی تک محدود ہے جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہو۔ جو مسائل عام لوگ بھی اچھی طرح سمجھ سکتے ہوں اُن کا حکم یہ ہے۔

اِلّا فیما یَسْتَغْنِیْ عن الرّاْیِ فانّہٗ لا یشترطُ فیہ اھل الاجتھاد بل لا بدّ فیہ منَ الاتفاق الکلّ منَ الخواصِ و العوام حتیٰ لو خالفَ واحدٌ منھم لم یکن اجماعًا لنقلِ القراٰنِ واعداد الرکعات ومقادیر الزکوٰۃ ۔ (ایضاً ۲۲۰)۔

جن مسائل میں فکر کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ان کے لئے مجتہدین کی بھی کوئی شرط نہیں بلکہ اس کے لئے تو ہر خاص و عام کا متفق ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک عام فرد نے بھی کسی ایسے عام مسئلہ کی مخالفت کی تو یہ اجماع نہ ہوگا۔ مثلاً نقلِ قرآن، نماز کی رکعات کی تعداد اور زکوٰۃ کی مقدار وغیرہ۔

۴۔ تقلید

تقلید سے مراد دینی مسائل میں کسی فقہی مذہب کی پیروی کرنا ہے۔ دورِ اول میں مسلمان دو تین صدیوں تک اس لفظ سے آشنا تک نہ تھے۔ تاہم جب بعد میں فقہ کی تدوین ہوئی تو اس وقت کے سیاسی حالات کے مطابق لوگوں نے سہولت کی خاطر اپنی اپنی پسند کے ائمہ کی تقلید شروع کر دی۔ اس سے اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا اور رفتہ رفتہ تقلید جامد کا زور بڑھتا گیا۔ تاہم مقامِ شکر ہے کہ اس زمانے میں کچھ حضرات کم از کم اہلِ علم کے لئے تقلید کو گناہِ عظیم سمجھتے ہیں۔ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

"میرے نزدیک صاحبِ علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر ہے۔ (رسائل و مسائل حصہ اول ص ۲۴۶)

گناہ سے شدید تر چیز کفر ہی ہو سکتا ہے۔

۵۔ جمعہ کے لئے حکومت کی اجازت

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز حکومت کی اجازت کے بغیر درست نہیں، تاہم اس کی تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو سلطان کی اجازت کے بغیر جمعہ بالکل ہوتا ہی نہیں۔

والمستحب انّ لا تقام الجمعۃ الا باذن السلطان فان اقیمت الجمعۃ

بغیر اذنہ صحت عند مالکؒ والشافعیؒ واحمدؒ وقال ابوحنیفہؒ لا تنعقد الا باذن السلطان۔

مستحب ہے کہ جمعہ سلطان کی اجازت کے بغیر نہ ہو اور اگر اجازت نہ لی گئی ہو تو امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تو ہو جائے گا لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سلطان کی اجازت کے بغیر جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ جلد اول صفحہ ۸۱)

معلوم رہے کہ یہاں سلطان سے مراد وہی عباسی خلفاء اور ان کے ماتحت حکام ہیں جن کے دور میں فقہ کی تدوین ہوئی۔

۶۔ نکاح اور شہادت نکاح

ائمہ نے مختلف حالات میں نکاح کے بھی مختلف احکام دیئے ہیں۔

فرض جب کسی شخص کو زنا کا مرتکب ہونے کا خدشہ ہو تو ایسے شخص کے لئے شادی فرض ہوگی۔

سُنّت اگر زنا کا خدشہ موجود نہیں لیکن کسب حلال سے زوجہ کا نان نفقہ پورا کر سکتا ہے تو ایسے شخص کے لئے نکاح سنّت ہے۔

حرام اور مکروہ اگر شادی کے سبب سے کوئی شخص کسب حرام پر مجبور ہو جائے یا کسی کی حق تلفی کا موجب بنتا ہو تو ایسی صورت میں شادی حرام ہوگی اور اگر حرام کی کمائی میں پڑنے کا صرف احتمال ہو تو اس وقت مکروہِ تحریمہ ہوگی۔

(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ جلد ۴ صفحہ ۶،۷)

جس لڑکی سے شادی کا ارادہ ہو، مناسب یہ ہے کہ شادی سے پہلے اُسے دیکھ لے تاکہ بعد میں بدمزگی کا سبب نہ ہو۔ لڑکی مرد سے کم عمر ہونی چاہیئے۔ لیکن چھوٹی لڑکی کو بوڑھے مرد سے بیاہ دینا جائز نہیں۔ (ایضاً صفحہ ۸)

نکاح کی مشہوری کے لئے دف بجانا۔ جھنڈیاں لگانا یا چراغ جلانا وغیرہ مستحب ہیں۔ دف کے آگے توسین میں (طبل) کا لفظ ہے جس کے معنی ڈھول ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۸)

۷۔ نکاح کی عُمر

جمہور علماء کے نزدیک شادی کے وقت لڑکی یا لڑکے کا بالغ ہونا شرط نہیں ہے۔

تاہم کچھ بزرگانِ دین ایسے بھی گزرے ہیں جن کے نزدیک بلوغیت شادی کی شرط ہے شمس الائمہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں۔

" بخلاف ما یقول ابن شبرمۃ وابو بکر انہ لا یزوج الصغیر

والصغیرۃ حتی یبلغا لقولہ تعالیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح فلو جاز التزویج قبل البلوغ لم یکن لهذا فائدۃ"

(المبسوط جلد۴ صفحہ ۱۹۳)۔

ترجمہ: امام ابن شبرمۃ اور قاضی ابوبکر الاصم کے نزدیک نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کی شادی جائز نہیں جب تک کہ وہ بلوغت کو نہ پہنچ جائیں۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ جب وہ نکاح کی عمر یعنی بلوغت کو پہنچ جائیں"۔ اگر بلوغت سے پہلے نکاح ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

صغر سنی کی شادیوں سے جو قباحتیں پیدا ہوتی ہیں ان کو ختم کرنے کے لئے آج سے تقریباً چالیس سال پہلے حکومت مصر نے ۲ رجمادی الاول ۱۳۴۲ھ میں قانون نمبر ۶۰ مرتب کیا۔ جس میں امام ابن شبرمۃ کے مذہب کے مطابق شادی کے لئے لڑکے کی کم از کم عمر ۱۸ سال اور لڑکی کی سولہ سال قرار دی گئی۔ اگرچہ اس کے مرتب کرنے والے علماء ہی تھے لیکن حکومت مصر نے عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے اس قانون کو اسی سال ۱۹ رجمادی الاول کو گورنمنٹ گزٹ نمبر ۱۲۳ میں شائع کیا اور اعتراضات کے لئے ایک ماہ کی مہلت دی۔ جب کوئی اعتراض نہ آیا تو مقررہ وقت گزرنے کے بعد یہ مصر کا سرکاری قانون بن گیا۔ (تاریخ القضاء فی الاسلام صفحہ ۶۷)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلوغت کی حد اس سے بھی زیادہ ہے۔ ان کے نزدیک لڑکے کی بلوغت کی عمر ۱۹ سال اور لڑکی کی ۱۷ سال ہیں۔

اما بلوغهما بالسن فقد رائ ابوحنیفه رحمة الله علیه فی الجاریة بسبع عشرة سنة و فی الغلام بتسع عشرة سنة" (المبسوط جلد ۶ صفحہ ۵۳)

عینی میں علامہ ابن حزم کا ایک قول منقول ہے کہ لا یجوز للاب و لا لغیرہ النکاح الصغیر الذکر حتی یبلغ فان فعل فهو منسوخ ابداً ۔ کہ نہ باپ اور نہ کوئی اور بلوغت سے پہلے کسی لڑکے کا نکاح کر سکتے ہیں اور اگر انہوں نے ایسا کر بھی دیا تو وہ نکاح ہمیشہ کے لئے فسخ ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں بلوغت سے پہلے نکاح جائز ہی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا معاہدہ ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی وضاحت کی ہے۔ واخذن منکم میثاقاً غلیظاً۔ (۴/۲۱)۔ بیضاوی شریف میں ہے کہ میثاق سے مراد کلمۃ اللہ ہے اور کلمۃ اللہ سے مراد نکاح ہے۔

لہ قرآن کریم کا یہی فیصلہ ہے۔ (طلوع اسلام)۔

(بدائع الصنائع للکاسانی جلد ۲ صفحہ ۲۹۵)

۸۔ تعدد ازدواج

اس مسئلہ پر بھی ائمہ مجتہدین میں خوب اختلاف ہے۔ کچھ علمار چار کی قید لگاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور حنابلہ کے نزدیک صرف ایک عورت ہی سے شادی مستحب ہے۔ کوئی ۹ تک کے جواز کا قائل ہے۔ اور کسی کے نزدیک نو کی حد بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

ایک دفعہ جب امام صاحب کے سامنے تعدد ازدواج کا ذکر ہوا تو امام صاحب نے اس قصے کو سُن کر کہا:-

"..... بھائی مجھے تو رسول اللہ صلعم کے صحابی جابر بن عبداللہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک بیوی والا سرور میں رہتا ہے اور دو بیویوں والا شر ور کا شکار بنتا ہے۔ یعنی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ روایت سُنا کر امام صاحب نے فرمایا کہ میرے ساتھ جسے اتفاق نہ ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔ یا شاید جابر ہی کا قول نقل کیا اور کہا کہ ابراہیم کو شاید تجربے کا موقع نہ ملا۔ اور اس کے بعد کہنے لگے کہ رسول اللہ صلعم کا جو برتاؤ عدل وانصاف کا اپنی بیویوں کے ساتھ تھا۔ جو اس برتاؤ کو نہ کر سکے تو وہ ظالموں میں لکھا جائے گا۔ پھر وہ حدیث سنائی جس میں ہے کہ دو بیویوں کے ساتھ انصاف نہ کرنے والا قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ ایک شق اس کے بدن کا ساقط ہوگا۔ امام نے اس پر اضافہ کیا کہ ایک ہی بیوی پر قناعت اپنے لئے تو میں نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔ اور فرمایا بھائی بے فکری اور سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔

(حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی صفحہ ۲۱۷)

حنابلہ کا بھی تقریباً یہی مسلک ہے۔ ان کے نزدیک بھی صرف ایک ہی عورت سے شادی مسنون ہے۔

قالوا یندب نکاح امراۃ واحدۃ فلا یعدد الازواج فان فی التعدد خطورۃ عدم العدل فیقع فی المحرم۔

ترجمہ:- صرف ایک ہی عورت سے شادی مستحب ہے۔ تعدد ازدواج کی صورت میں عدل نہ ہو سکنے کا خدشہ ہے جس سے وہ حرام میں پڑ جائے گا۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۴ صفحہ ۱۲)

اہل الظاہر جہاں ۹ شادیوں کے قائل ہیں تو کچھ ائمہ مثلاً ابن الصباغ، عمرانی اور بعض شیعہ کے

نزدیک کوئی حد نہیں۔ یہ حضرات آیت فانکحوا ما طاب لکم من النساء ..... الخ کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں۔

مثنیٰ وثلاث ورباع میں واؤ جمع کے لئے ہے ۔ اور لغت میں لفظ مثنیٰ سے مراد دو، دو ہیں نہ کہ صرف دو۔ اور اگر کہا جائے کہ دو دو آدمی آئے تو یہ لفظ ایک ہزار کی تعداد میں آنے والے اشخاص کے لئے بھی بولا جا سکتا ہے کہ وہ دو دو ہو کر آئے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ جاء القوم مَثنیٰ (لوگ دو دو کرکے آئے) ثلث اور رباع کا مطلب بھی اسی طرح پر ہو گا۔ یہ عربی لغت کا مسئلہ ہے جس میں شک کی گنجائش ہی نہیں۔ پس آیت مذکورہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دو دو یا تین تین یا چار چار سے شادی کر لے۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ اس کے بعد دو دو یا تین تین یا چار چار کا دوسرا گروہ نہ آئے۔ کیونکہ لغت اور عرف کے لحاظ سے یہ شرط ٹھیک نہ ہو گی۔ مثلاً اگر کسی آدمی کے پاس ایک ہزار کا مجمع ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ دو دو یا تین تین کر کے آئے۔ اس تاویل کے مطابق لاتعداد شادیاں جائز ہیں۔ اب "و" چاہے جمع کے لئے ہو یا اختیار کے لئے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(نیل الاوطار جلد ششم صفحہ ۱۵۰)

جمہور مفسرین نے اس استدلال کو تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۲ —
چنانچہ نواب صدیق الحسن صاحب بھی اس استدلال کو درست تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فالاولیٰ ان یستدل علی تحریم الزیادۃ علی الاربع بالسنۃ (تفسیر فتح البیان)
لا بالقرآن۔ صحیح یہ ہے کہ چار سے زیادہ ازواج کی حرمت کا استدلال حدیث سے کیا جائے نہ کہ قرآن مجید سے۔

اور جس حدیث سے نواب صاحب چار ازواج کے جواز کے لئے استدلال کرتے ہیں ائمہ کے نزدیک اس کا ضعف علامہ شوکانی کی زبانی سنئے۔

حدیث قیس بن الحرث وفی روایۃ الحرث بن قیس، فی اسنادہٖ محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ... ضعفہٗ غیر واحد من الائمۃ۔

(ترجمہ) قیس بن الحرث کی روایت کے مطابق الحرث بن قیس کی حدیث کے ایک راوی محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں جو اکثر ائمہ کے نزدیک ضعیف ہیں مزید یہ حارث بن قیس کی کوئی دوسری روایت بھی نہیں ہے[1] (نیل الاوطار جلد ششم صفحہ ۱۵۰)

[1] آپ غور کیجئے کہ ان حضرات کی بحث میں وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی (یتیمی) کا ذکر کہیں نہیں آتا حالانکہ قرآن کی رو سے، تعدد ازدواج کے لئے یہ بنیادی اور اولین شرط ہے۔

(۹) مسئلہ کفو یعنی شادی کے لئے لڑکا لڑکی کا برابر حیثیت کا ہونا۔

کفو کا مسئلہ بھی فقہ کے ان مسائل میں سے ہے جسے اسلامی مساوات کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اس اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن مجید تو یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے شادی کی اجازت دیتا ہے والمحصنت من الذین اوتو الکتاب۔ لیکن فقہا نے خود مسلمانوں کے درمیان شادیوں میں حسب نسب اور پیشوں کی قید لگا دی ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ کے مسلک کو روح اسلامی کے زیادہ قریب خیال کیا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک میاں بیوی کا دو امور میں برابر حیثیت کا ہونا ضروری ہے۔ ایک دین یعنی وہ مسلمان ہو فاسق نہ ہو اور دوسرے عیوب سے خالی ہو۔ مال و دولت، حسب و نسب، ذات پات اور پیشہ وغیرہ مالکیہ کے نزدیک غیر معتبر ہے۔ امام صاحب نے اس آیت سے استدلال فرمایا ہے۔ اِنّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۴ صفحہ ۶۱)

حنفیہ کے نزدیک کفایت نکاح کی شرط ہے اور اس سے مراد عورت اور مرد کا چھ امور میں ایک دوسرے کے برابر ہونا ضروری ہے۔ (۱) حسب نسب (۲) اسلام (۳) پیشہ (۴) آزادی (۵) دینداری (۶) مال و دولت۔ ان کے نزدیک غیر عربی کسی عربی یا قریشی سے شادی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اس کا کفو نہیں ہے اور غیر قریشی چاہے وہ عرب ہی کیوں نہ ہو قریش کا کفو نہیں ہو سکتا۔ ہاں غیر عربی عالم جاہل عربی کا کفو ہو سکتا ہے۔ پیشہ کے لحاظ سے میاں بیوی میں برابری ضروری ہے عرف کے مطابق۔ مثلاً اگر درزی کا پیشہ نوربافوں سے اچھا ہو گا تو کوئی نورباف درزی کی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۴ صفحہ ۵۴)

دراصل اس مسئلہ کی بنیاد ہی ایک ضعیف حدیث پر رکھی گئی ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

"عن ابن عمر انہ صلعم قال العرب اکفاء بعضھم ببعض قبیلۃ لقبیلۃ و حیٌ لحیٍ و رجلٌ لرجلٍ الا حائکٌ و حجامٌ"۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ عرب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا۔ ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقہ کے لوگوں کے۔ ایک فرد دوسرے فرد کا مگر نورباف اور حجام۔ (نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۱۲۸)

ائمہ کے نزدیک یہ حدیث ہی سرے سے ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ شوکانی فرماتے ہیں:-

فی اسنادہٖ رجلٌ مجھولٌ وھو الراوی لہٗ عن ابن جریج۔ اس حدیث کے اسناد میں ایک راوی مجہول ہیں جو ابن جریج سے روایت کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتمؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا ھذا کذبٌ لا اصلَ لہٗ۔ یہ جھوٹ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث باطل ہے[1]۔ (ایضاً)۔

۱۰۔ نکاح شغار

شریعتِ حقہ نے نکاح کی کچھ اقسام کو ناجائز قرار دیا جو درج ذیل ہیں :۔

نکاح شغار اس کی تفصیل یوں ہے کہ دو خاندانوں میں دو لڑکیوں کا نکاح ایک دوسرے کے خاندان سے بغیر کسی مہر کے، صرف بدلے میں کیا جائے یا ایک خاندان کی عورتوں کا مہر مثل ایک ہزار روپیہ ہے اور دوسرے خاندان کی عورتوں کا پانچ صد لیکن بدلے کی وجہ سے دونوں لڑکیوں کا مہر پچاس پچاس روپے قرار پائے تو یہ صورت بھی نکاح الشغار کے ذیل میں آئیگی۔

(بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۵۷)

ہمارے ہاں اس خلافِ اسلام نکاح کی مثالیں عام ہیں اور ان کے خطرناک نتائج سے بھی اکثر لوگ واقف ہیں۔ ایسے نکاحوں کے لئے مناسب صورت یہ ہوگی کہ ہر لڑکی کا مہر اس کے خاندان کی عورتوں کے مطابق مقرر کیا جائے ورنہ نکاح جائز نہ ہوگا[2]۔

۲۔ نکاح المتعۃ یہ زیادہ یا کم محدود مدت کا نکاح ہے۔ جمہور ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔ شیعہ کے نزدیک جائز ہے۔ بعض حنفیہؒ نے امام مالکؒ سے اس کا جواز نقل کیا ہے تاہم مالکی مذہب میں اس کا کوئی جواز نہیں ملتا۔ (بدایۃ المجتہد ۲ صفحہ ۵۸ نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۱۳۶)۔

۳۔ منگنی پر منگنی اگر کسی کی شادی کی بات طے پا چکی ہے۔ اور ایک دوسرا شخص لڑکی والوں کو اپنی طرف مائل کر کے پہلی منگنی ختم کرا کے خود شادی کرے تو ائمہ اس نکاح کو جائز قرار نہیں دیتے[3]۔

۱۱۔ طلاق ثلاثہ

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ تین سے کم میں طلاق مکمل نہیں ہوتی اور عامۃ الناس

---

[1] یہ حدیث (بلکہ ذاتوں اور پیشوں کی تفریق کا تصور ہی) باطل ہے کیونکہ یہ قرآن کریم کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے (طلوع اسلام)۔

[2] و [3] ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نتائج کے اعتبار سے اس قسم کے رشتے مضر ثابت ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا نکاح ناجائز ہے۔ (طلوع اسلام)

کا اسی پر عمل ہے۔ حالانکہ بیک وقت تین طلاقیں دینا اسلام میں گناہ ہے۔ اصطلاح میں اسے طلاق بدعت کا نام دیا گیا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

"تین طلاق بیک وقت دینا قرآن و سنّت کی رُو سے گناہ اور ایک مکروہ عمل ہے جس تک پہنچنا منشاء قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کریم نے واضح طور پر یہ بتلا دیا کہ طلاق دینے کا صحیح اور جائز طریقہ یہ ہے کہ طلاق دو مرتبہ تک دی جا سکتی ہے۔ الطلاق مرتان۔ اس کے بعد تیسری طلاق کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے جائز طریقہ سے تجاوز کر کے تیسری طلاق دے ہی دی تو اب اس کی سزا یہ ہے کہ دوسری شادی اور پھر اس سے جدائی کے بغیر ان کا آپس میں تجدید نکاح نہ ہو۔

(عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ صـ۶۳)

دراصل طلاق ثلاثہ بیک مجلس جو بالاتفاق سب کے نزدیک بدعت ہے، کی اس طرح مدافعت کی گئی ہے کہ لوگ یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ طلاق کا اسلامی طریقہ ہی یہی ہے۔ مثلاً عائلی قوانین کی اس شق پر علماء نے یہ اعتراض فرمایا۔

"بلا شبہ یہ چیز بعض فقہی مذاہب کے نزدیک درست ہے لیکن حنفی مذہب کے خلاف ہے۔ حنفی مذہب میں اگر تین طلاقیں بیک وقت دی گئی ہوں تو اس سے طلاق مغلظ واقع ہو جاتی ہے۔ اور مطلقہ عورت سے اس کا سابقہ شوہر نہ تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ عدت گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ پھر نکاح کر سکتا ہے جب تک اس کی تحلیل نہ ہو جائے۔

اس ملک کے باشندوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے۔ ان حنفی باشندوں کو جو اعتماد ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور مذہب حنفی کے ائمہ و فقہا کے علم و تقویٰ پر ہے وہ اعتماد آج کل کے قانون سازوں پر نہیں ہے۔ (عائلی قوانین پر علماء کے اعتراضات صفحہ ۱۸)

عوام کے لئے اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی، وہ تو پہلے ہی بیک وقت تین طلاق دینے کو اصل طلاق سمجھتے تھے اور جب یہ کہہ دیا جائے کہ یہ حنفی مذہب کے خلاف ہے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے کہ وہ اسے غیر اسلامی سمجھنے لگیں۔ حالانکہ جسے حنفی مذہب کے خلاف قرار دیا جا رہا ہے وہ حنفی مذہب کے نزدیک بھی طلاق دینے کا احسن طریقہ ہے۔ اور جو ائمہ ایسی طلاق کے ہو جانے کے قائل ہیں وہ بھی اسے طلاقِ بدعت ہی سمجھتے ہیں۔ اور اس کے شرعی اثر کو بطور سزا قائم رکھتے ہیں۔

جیسے حضور رسول اللہ صلعم نے طلاق ثلاثہ بیک مجلس کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔

نسائی کی روایت محمود بن لبید سے ہے۔

اَنّ رجلاً طلق فی عہد رسول اللہ صلعم امراتہٗ ثلاثاً مغضب رسول اللہ صلعم قال یلعب بکتاب اللہ و انا بین اظہر کم۔

عہد نبویؐ میں کسی شخص نے اپنی بیوی کو بیک مجلس تین طلاقیں دے دیں۔ تو اس کے اس عمل پر رسول اکرم صلعم نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ تم لوگ میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلتے ہو۔

صرف اس ایک حدیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اس مضمون کی کئی احادیث ہیں کہ رسول اللہ صلعم کے نزدیک یہ امر کتنا ناپسندیدہ تھا۔

جیسا کہ ابھی ابھی بیان کیا گیا ہے کہ ائمہ مجتہدین کی ایک جماعت کے نزدیک طلاق دینے کا احسن طریقہ طلاق سنت ہی ہے۔ لیکن اگر تین طلاقیں بیک مجلس دے دی جائیں تو طلاق ہو جائے گی۔ اور طلاق دینے والا سنت کی مخالفت کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ تاہم ائمہ کی اکثریت طلاق بدعت کا جواز کسی صورت میں بھی تسلیم نہیں کرتی۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں:۔

"اہل علم کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ ایک ساتھ منہ سے ایک سے زیادہ طلاقیں کہنے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ صاحب البحر نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰؓ نے ایک روایت میں حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، طاؤس، عطاء، جابر بن زید، امام الہادی، امام القاسم، امام الباقرؒ، امام الناصر اور احمد بن عیسیٰ، عبد اللہ بن موسیٰ بن عبد اللہ اور حضرت زید بن علی کا یہی مسلک نقل کیا ہے اور علمائے متاخرین کا بھی یہی مسلک ہے۔ جن میں حضرت امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے۔ ابن المغیث نے کتاب الوثائق میں محمد بن رضاح کا یہی مذہب نقل کیا ہے اور النوری نے قرطبہ کے علماء کی ایک جماعت مثلاً محمد بن لبق اور محمد بن عبد السلام وغیرہما سے یہی نقل کیا ہے اور ابن المنذر نے حضرت ابن عباس کے تلامذہ، عطار، طاؤس اور عمر بن دینار سے یہی نقل کیا ہے۔ اور ابن المغیث نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت الزبیر کا یہی مسلک نقل کیا ہے۔

امامیہ کے بعض علمائے کے نزدیک طلاق متتابع سے ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔ اور بعض تابعین سے بھی یہی منقول ہے۔ اور ابن علیہ اور ہشام بن الحکم سے بھی یہی روایت کیا گیا ہے۔ اور ابو عبیدہ اور بعض اہل الظاہر اور دوسرے تمام اہل العلم کے نزدیک طلاق بدعت بالکل واقع ہی نہیں ہوتی۔" (نیل الاوطار جلد ششم صفحہ ۲۲۱)۔

(۱۲) حلالہ یا تحلیل

طلاق بدعت کا لازمی نتیجہ حلالہ ہے جیسا کہ مولانا محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات بھی عام طور پر مشاہدہ میں آتی ہے کہ تین طلاق کے بعد جب ہوش آتا ہے تو فریقین آپس میں مصالحت کے لئے تیار ہوتے ہیں مگر بات ہاتھ سے نکل چکی ہوتی ہے۔

(عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ صفحہ ۶۳)

یہ بات جو ہاتھ سے نکل چکی ہوتی ہے اس کا بندوبست حلالہ سے کیا جاتا ہے یعنی جب طلاق دینے والا شخص پشیمان ہوتا ہے اور بیوی کو دوبارہ عقد میں لانا چاہتا ہے جو طلاق مغلظہ کے بعد شرعی طور پر وہ نہیں کر سکتا تو مطلقہ عورت کا عارضی نکاح کسی شخص سے اس شرط پر کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دفعہ ہمبستری کے بعد عورت کو طلاق دے دے اور اس کے بعد پہلا خاوند اس سے تعلقات زوجیت قائم کر لیتا ہے۔

نبی اکرم صلعم نے ایسا کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجی ہے لعن اللہ المحلل والمحلل لہٗ — اور حضرت عمرؓ ایسے شخص پر حد جاری کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ایسے نکاح کو جائز سمجھا جاتا ہے اور اس پر باقاعدہ عمل ہوتا ہے۔ دراصل جب تک طلاق بدعت کا خاتمہ نہ ہوگا اس برائی سے بھی جان چھڑانا ممکن نہیں ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک بھی یہ جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے

"وإذا تزوجها بشرط التحليل فالنكاحُ مكروهٌ لقوله عليه السلام لعن الله المحلل والمحلل لهٗ وهذا هو محمله فان طلقها بعد وطيها حلت للاول لوجود الدخول في نكاح صحيح — (ہدایہ اولین مجیدی صفحہ ۳۷۶)

یعنی اگر حلالہ کرنے کی شرط سے کسی عورت سے نکاح کیا تو یہ مکروہ فعل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجی ہے۔ اور اس سے مراد یہی حلالہ ہے تاہم اس (حلالہ کے نکاح) کے بعد عورت کو ایک ہمبستری کے بعد طلاق دے دی جائے تو وہ پہلے طلاق دینے والے مرد کیلئے حلال ہو گی کیونکہ دخول نکاحِ صحیح میں ہوا ہے۔ (چاہے حلالہ والی شرط باطل تھی)۔

دوسرے مذاہب کا مسلک تو اس سے بھی عجیب ہے۔ مثلاً حنابلہ کے متعلق یہ روایت ملتی ہے۔

وقد ذكر بعض العلماء الشافعية بهذا المناسبة مسألةً وهي

ان الحنابلۃ یقولون ان الصبی الممیز الذی لم یبلغ سنہ عشر سنین اذا کان ینصب ذکرہ ویفہم معنی الوقاع فانہ اذا تزوج امراۃ مطلقۃ ثلاثا واولج فیھا ذکرہ ثم طلقھا فان طلاقہ یقع بدون اذن اولی وتحل مطلقۃ لزوج الاول بدون ان تعتد من الصبی لان المعروض ان سنہ لم یبلغ عشر سنین۔

اس بارے میں بعض علمار شافعیہ نے حنابلہ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ اگر دس سال سے کم عمر لڑکا جو میاں بیوی کے تعلقات کو سمجھتا ہو۔ طلاق بدعت کی مطلقہ سے شادی اور ہمبستری کے بعد طلاق دے دے تو یہ طلاق ولی کی اجازت کے بغیر بھی صحیح ہے۔ اور مطلقہ اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اور لڑکے کی عمر چونکہ دس سال ہے اس لئے عدت کی بھی ضرورت نہیں۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعتہ جلد ۴ صفحہ ۲۰ ۴)

۱۳۔ طلاق اور خلع میاں بیوی کے درمیان اگر کوئی ایسی ناگوار صورت حال پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے دونوں کا ساتھ رہنا ناممکن ہو جائے تو شریعت نے انہیں یہ اختیار دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں۔ خاوند طلاق دے سکتا ہے اور بیوی کو خلع کی اجازت ہے۔ امام ابن رشد فرماتے ہیں۔ جعل الطلاق بید الرجل اذا فرک المراۃ جعل الخلع بید المراۃ اذا فرکت الرجل۔ (مرد اگر بیوی سے نفرت کرے تو اسے طلاق کا حق ہے۔ اور خلع عورت کے ہاتھ ہے۔ اگر اسے مرد سے نفرت ہو جائے۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۶۸)

جمہور فقہ کے نزدیک طلاق اور خلع ایک ہی چیز ہے۔ فرق صرف اصطلاح کا ہے۔ مرد کی طرف سے علیحدگی کا مطالبہ ہوگا تو یہ طلاق ہوگی اور عورت کی طرف سے ہو تو خلع۔ واما نوع الخلع فجمھور العلماء علی انہ طلاق (ایضاً ص ۶۹) جمہور علماء کے نزدیک خلع طلاق ہی ہے[۱]۔

الخلع نوع من الطلاق لان الطلاق تارۃ یکون بدون عوض وتارۃ یکون بعوض والثانی ھو الخلع۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۴ صفحہ ۳۹۲)۔

---

[۱] قرآن کریم میں خلع کا لفظ ہی نہیں آیا۔ جس طرح مرد فسخ نکاح کرا سکتا ہے اسی طرح عورت کرا سکتی ہے۔ اسی کو طلاق کہتے ہیں۔ (طلوع اسلام)۔

خلع طلاق ہی کی قسم ہے۔ کیونکہ طلاق کبھی تو بغیر معاوضہ کے ہوتی ہے اور کبھی معاوضہ کے بدلے۔ دوسری قسم کی طلاق کو خلع کہتے ہیں۔

بعض علماء تو عورت سے خلع کے بدلے لینے کو بھی جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ ابوبکر بن عبد اللہ المسری فرماتے ہیں:۔ لا یحل للزوج ان یاخذ من زوجتہ شیأ (بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۵۴)

۱۴۔ مفقود الزوج عورت کسی عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے تو اسے کتنا انتظار کرنا چاہیئے۔ ائمہ کے درمیان اس مسئلہ میں سخت اختلاف ہے۔ کوئی پوری عمر کہتا ہے۔ کوئی ایک سو بیس سال اور کوئی نوے سال۔ اس مسئلہ میں چونکہ امام مالکؒ کا مسلک سب سے زیادہ ترقی پسندانہ ہے۔ یعنی ایسی عورت کو صرف چار سال تک انتظار کرنا چاہیئے۔ اس لئے تمام مذاہب فقیہہ نے عملاً اسی کو اختیار کر رکھا ہے۔ مولانا عبد الحئی مفقود الخبر کے مسئلہ میں امام مالک کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

وعلی ھذا عملی حیث افتیتُ غیر مرۃ بقول مالک ظنًّا منی انہٗ قویٌ من حیث الدلیل و مع قطع النظر عنہٗ تقلید مذھب الغیر جائزٌ عند الضرورۃ اتفاقاً۔ (شرح وقایہ حاشیہ صفحہ ۲۹۲)

میرا عمل بھی امام مالک کے مسلک کے مطابق ہے۔ جس کا میں نے کئی دفعہ فتویٰ دیا۔ کیونکہ اس کی دلیل قوی ہے اور ضرورت کے وقت دوسرے مذہب کی تقلید بالاتفاق جائز ہے۔

عدت کا مقصد یہ ہے:۔

۱۵۔ عدت " لانقضاء مابقی من اثار النکاح معناہ ان النکاح لہٗ اثارٌ مادیۃٌ وھی الحملُ۔ (عدت نکاح کے بقیہ آثار کے خاتمہ کے لئے ہے کیونکہ نکاح کے مادی نتائج بھی ہوتے ہیں یعنی حمل۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۴ صفحہ ۵۱۲)

احکام قرآنی کے مطابق عدت کی مدت تین قروء ہیں اور قروء کے معنی میں ائمہ میں اختلاف ہے۔ حنفیہ اس سے مراد حیض کے دن لیتے ہیں اور دوسرے ائمہ طہر یعنی پاکی کی حالت۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

الحنفیۃ۔ ان المراد بالقرء الحیض عندھم بلا خلاف فلا تنقضی عدۃ الحرۃ الا بثلاث حیض کوامل۔ (قرء سے مراد حیض کے دن ہیں اور عورت کی عدت تین کامل حیض ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۵۴۲)

مالکیہ:۔ فالمشہور ان معناہ الطہر من الحیض فاذا طلقہا فی اخر لحظۃ من طہرھا ثم حاضت بعد فراغہ من لفظ الطلاق بلحظۃ حسب لہا ھذا طہرا (قرء سے مراد حالت پاکیزگی ہے۔ اس لئے اگر طہر کے آخری لحظ بھی طلاق ہوگی کہ اس کے فوراً بعد عورت کو حیض شروع ہو جائے تو صرف یہ آخری لحظہ پورا طہر شمار ہوگا۔ شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

یحسب لہا الطہر الذی طلقہا فیہ ولو بقیت لحظۃ واحدۃ (ایضاً ص۴۸)۔

(۱۶) **جمعہ اور عید کا ایک دن ہونا** جس سال اتفاقاً عید جمعہ کے دن ہو تو اس کے متعلق عوام میں عجیب باتیں مشہور ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ائمہ کے نزدیک صرف یہ اختلاف ہے۔

اذا اتفق یوم عید یوم جمعۃ فالاصح عند الشافعی ان الجمعۃ لاتسقط عن اھل البلد بصلوۃ العید و اما من حضر من اھل القری فالراجح عندہ سقوطہا عنہم فاذا صلوا العید جاز لہم ان ینصرفوا و یترکوا الجمعۃ۔ (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ جلد ا صفحہ ۸۰)

اگر عید جمعہ کے دن ہو جائے تو امام شافعیؒ کے نزدیک شہریوں سے جمعہ ساقط نہ ہوگا۔ ہاں دیہاتیوں کے لئے رخصت ہے۔ وہ عید پڑھ کر چلے جائیں اور جمعہ چھوڑ دیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شہریوں کے لئے جمعہ ضروری ہے۔ (ایضاً)۔

امام احمدؒ کے نزدیک شہریوں اور دیہاتیوں دونوں پر نماز عید کی وجہ سے جمعہ نہیں ہے وہ اس دن جمعہ کی بجائے صرف ظہر کی نماز ادا کریں۔

وقال عطاءؒ لیسقط الجمعۃ والظہر معا ذلک الیوم فلا صلوۃ بعد العید۔ (ایضاً)۔

اور عطاء کے نزدیک جمعہ اور ظہر کی نماز دونوں ساقط ہوں گی۔

(۱۷) **صدقۃ الفطر** عوام صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ ہر چھوٹے بڑے پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔ حالانکہ ائمہ کے نزدیک اس کے مختلف احکام ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ صرف انہی لوگوں پر واجب ہے جو نماز اور روزہ ادا کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ ہر چھوٹے بڑے پر نہیں۔

وعن علی رضی اللہ عنہ انہا تجب علی من اطاق الصلوۃ والصوم۔ (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ صفحہ ۱۲۱)

امام حسن اور حضرت سعید بن المسیب صرف انہی لوگوں کے لئے واجب سمجھتے ہیں جنہوں نے روزے رکھے اور نمازیں پڑھیں۔

وعن الحسن وابن المسیب انہا لا تجب الا علیٰ مَنْ صام وصلی۔ (ایضاً)۔

۱۸- عبادت پر اُجرت لینا

عبادت پر اُجرت لینا تقریباً تمام ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

الحنفیہ: اما الاجارۃ علی الطاعات فاصول مذہب الحنفیہ تقتضی انہا غیر صحیحۃ لان کل طاعۃ یختص بہا المسلم لا یصح الاستیجار علیہا ویستدلون بحدیث روی عنہ علیہ السلام اقرؤا القرآن ولا تاکلوا بہ وفعل عمر الیٰ عمرو بن العاص ان اتخذت مؤذناً فلا یاخذ علی الاذان اجراً ھذا ھو اصل مذہبہم۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد۳ صفحہ ۱۰۰-۱۶۹)

حنفی مذہب میں عبادات پر اُجرت لینا جائز نہیں کیونکہ ہر وہ عبادت جو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو اس پر اُجرت لینا جائز نہیں۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو مگر اس کے بدلے کچھ نہ کھاؤ۔ نیز اس روایت سے حجت پکڑتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے عمرو بن العاصؓ کو ایسا مؤذن مقرر کرنے کے لئے کہا جو اذان پر اُجرت نہ لے۔ یہی حنفی مذہب کی اصل ہے۔

امام شافعیؒ بھی اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔

لا تصح الاجارۃ علی الطاعات التی تجب لہا کالصلوٰۃ فرضاً کانت او نفلاً۔

جو اس کے فرائض میں داخل ہے مثلاً نماز چاہے فرض ہو یا نفل۔ اس پر اُجرت لینا ناجائز ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۸۸)

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی ایسی اُجرت کا کوئی جواز نہیں۔

لا تصح الاجرۃ علی فعل تربت اللہ تعالیٰ کالحج والصلوٰۃ والاذان والامامۃ وتعلیم القرآن والفقہ والحدیث۔ (ایضاً ص ۱۹۵)

عبادات مثلاً حج، نماز، اذان، امامت، قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم پر اُجرت لینا صحیح نہیں ہے۔

امام مالکؒ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ امام شوکانی لکھتے ہیں کہ جمہور ائمہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

" وقد استدل باحادیث الباب من قال انها لاتحل الاجرۃ علی تعلیم القرآن و ھو احمد بن حنبل واصحابہ وابوحنیفہ والھادویہ وبہ قال عطاء والضحاک بن قیس والزھری واسحٰق وعبداللہ بن شقیق۔

(نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۲۸۰)

امام احمد اور اور ان کے شاگرد، امام ابوحنیفہ، ہادویہ، عطا، ضحاک بن قیس، امام زہری، اسحاق اور عبداللہ بن شقیق قرآن کی تعلیم پر اُجرت کو جائز نہیں سمجھتے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں۔ روزہ، نماز، حج وغیرہ پر اُجرت لینا جائز نہیں کیونکہ یہ فرض عین ہیں۔

(البدائع والصنائع جلد ۴ صفحہ ۱۹۱)

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:۔

کہ اگر نماز تراویح یا دوسری نمازوں کے لئے اجرت پر امام مقرر کیا گیا تو یہ جائز نہیں کیونکہ نماز تو خود اس کے فرائض میں بھی شامل ہے اس لئے وہ دوسروں سے اس کے اجر کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

(المبسوط جلد ۱۶ صفحہ ۳۷)

۱۹۔ مسئلہ قربانی

جمہور ائمہ کے نزدیک قربانی سنّت ہے۔ صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔ جو اسے سنّت قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے۔

یثاب فاعلھا ولا یعاقب تارکھا — کہ قربانی کرنے والا مستحق ثواب ہے۔ لیکن نہ کرنے والے پر کوئی گرفت نہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۱ صفحہ ۵۹۳)

امام ابن حزم کے نزدیک جن احادیث سے قربانی کا سنّت ہونا ثابت کیا جاتا ہے وہ سب کی سب ضعیف ہیں۔ وہ یہ پانچ احادیث ہیں۔

(۱) عن ابی رملۃ عن مخنف بن سلیم ان رسول اللہ صلعم قال بعرفۃ انّ علی کل اھل بیت فی کل عام اضحی۔ کہ حضورؐ نے عرفہ کے مقام پر فرمایا کہ ہر گھر پر ہر سال قربانی ہے۔

(۲) وعن حبیب بن مخنف عن ابیہ انّہٗ سمع رسول اللہ صلعم یقول بعرفۃ علی کل اھل بیت ان یذبحوا فی کل رجب شاۃً و فی کل اضحی شاۃً"

عرفہ میں حضورؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا گیا کہ ہر گھر ماہ رجب اور عید قرباں کے دن ایک ایک بھیڑ ذبح کرتا ہے۔

(۳) عن الحسن انّ رسول اللہ صلعم امر بالاضحیٰ۔ کہ حضورؐ نے قربانی کرنے کا حکم دیا۔

(۴) عن ابن مسیب عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ صلعم قال من وجد سعۃ فلیضح۔ کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جسے فراخ دستی ہو وہ قربانی کرے۔

(۵) عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلعم مَنْ وَجَدَ سَعَۃً فَلَمْ یضح فلا یقرب مصلانا۔ کہ جس نے خوش حالی کے باوجود قربانی نہ کی وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے یعنی وہ مسلمان نہیں ہے۔

علامہ ابن حزم ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ سب جھوٹی ہیں اور ان کے ضعیف ہونے کی تفصیل یہ ہے۔

مخنف کی دونوں احادیث، ابی رملۃ الغامدی کی روایت سے اور حبیب بن مخنف کی روایت سے تو یہ دونوں راوی مجہول الحال ہیں۔ ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ حسن کی حدیث مرسل ہے۔

اور ابوہریرہ کی دونوں احادیث میں ایک راوی عبد اللہ بن عیاش ابن عباس القتبانی ہیں۔ وہ غیرمعروف اور غیر ثقہ ہیں۔ (ایضاً)۔

احادیث کو رد کرنے کے بعد علامہ ابن حزم صحابہ کا مسلک بیان کرتے ہیں:۔

قال ابو محمد لا یصح عن احد من الصحابۃ ان الاضحیہ واجبۃ" وصحیح ان الاضحیۃ لیست واجبۃ" عن سعید بن المسیب والشعبی وانہ قال لان اتصدق بثلاثۃ دراہم احب الی من ان اضحی۔ (المحلی جلد، صفحہ ۳۵۸)۔

"ابو محمد فرماتے ہیں کہ قربانی کے واجب نہ ہونے پر اجماع صحابہ ہے اور صحیح بھی یہی ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے۔ سعید بن المسیب اور شعبی سے بھی یہی روایت ہے ان کے نزدیک تین درہم خیرات کر دینا قربانی سے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت بلالؓ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا کہ قربانی کرنے سے خیرات دے دینا زیادہ اچھا ہے۔

عن سعید بن غَفَلَۃَ قال قال لی بلالؓ ماکنت ابالی لو ضحیت بدیک ولان آخُذُ ثمن الاضحیۃ فاتصدق بہ علی مسکین مقترٍ فہو احبُّ الیّ من ان اضحی۔ (ایضاً)۔

"سعید بن غفلۃ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ وہ اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ قربانی کے لئے مرغ ذبح کرلیں۔ بلکہ قربانی کی قیمت لے کر اس کا خیرات کر دینا ان کے نزدیک افضل ہے۔

ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ اس لئے عمداً قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اسے واجب نہ سمجھ لیں۔

وقد بلغنا انّ ابا بکر وعمر کان لایضحیان کراھۃ ان یقتدی بھما فیظنّ مَن رآھما انھا واجبۃ — (ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ اس اندیشے سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ ان کی پیروی نہ کرنے لگ جائیں۔ اور لوگ ان کو قربانی کرتے دیکھ کر اسے واجب نہ سمجھ لیں۔

(کتاب الام جلد ۲ صفحہ ۱۸۹)

علامہ شوکانی نے اس روایت کے ساتھ کچھ اور صحابہؓ کے اسمائے گرامی بھی دیئے ہیں۔

اخرجہ البیھقی عن ابی بکر وعمر انھما کان یضحیان کراھۃ ان یظنّ مَن رآھما انھا واجبۃ۔ وکذلک اخرج عن ابن عباس وبلال و ابی مسعود وابن عمر۔ (وہی ترجمہ ہے اور مزید یہ کہ حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت بلالؓ حضرت ابومسعود انصاریؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی اسی قسم کا عمل منقول ہے۔

(نیل الاوطار۔ جلد ۵ صفحہ ۱۱۹)

علامہ ابن حزم نے بھی یہ روایت المحلی کی جلد نمبر ۷ صفحہ ۳۵۸ پر دی ہے۔

حضرت ابن عباس نے تو اپنے مسلک کی عملی تفسیر بھی کی تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی باقی نہ رہے۔

قال عکرمۃ بعثنی ابن عباس بدرھمین اشتری بھما لحماً وقال من لقیت فقل لہٗ ھذہٖ اضحیۃ ابن عباس۔

(بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۴۱۲)

عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے انہیں دو درہم دے کر گوشت خریدنے کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ ہر ملنے والے سے کہہ دینا کہ بس یہی ابن عباس کی طرف سے قربانی ہے۔

ابومسعود انصاری جن کا مسلک نقل ہو چکا ہے کے پاس ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں تھیں وہ بھی صرف اس لئے قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ کہیں اسے ضروری نہ سمجھ لیں۔

وقال ابومسعود الانصاری یغدو علیّ الف شاۃ ویراح فلا اضحی مخافۃ ان یراھا الناس واجبۃ۔ (المبسوط جلد ۱۲ صفحہ ۱۲)

قربانی کے دنوں میں بھی اختلاف ہے۔

وقال الشافعی والاوزاعی الاضحی اربعۃ ایام یوم النحر وثلاثۃ ایام بعدہ

وروی عن جماعة انهم قالوا الاضحی فی یوم واحد وھو یوم النحر خاصة وقیل الی اخر یوم من ذی حجة وھو شاذ۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۴۲۲)

امام شافعیؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک قربانی چار دن ہے۔ ایک خاص قربانی کا دن اور تین دن اس کے بعد جمہور علماء صرف ایک دن۔ یعنی عید قربان کے دن کے قائل ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ ذوالحج کے آخر تک لیکن یہ قول شاذ ہے۔

قربانی کی کھالیں ذاتی مصرف میں لائی جا سکتی ہیں۔ جو صحابہؓ قربانی کرتے تھے وہ کھالوں سے مشکیزے بنا لیتے تھے۔ ویتخذون منھا الاسقیۃ۔ (تنویر الحوالک جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

امام ابو حنیفہؒ قربانی کی کھالیں سامان ضرورت کے عوض بیچنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور علماء کے نزدیک تو یہ نقدی کے عوض بیچی جا سکتی ہیں۔

یجوز بیعہ بغیر الدراھم والدنانیر ای بالعروض وقال عطاءؒ۔ یجوز بیعہ بکل شیٔ دراھم والدنانیر وغیر ذلک۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۴۲۴)۔

ابو العالیہ کے نزدیک قربانی کی کھالیں بیچ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ گوشت بھی کھاؤ۔ قربانی بھی کرو اور کچھ قیمت بھی واپس لے لو۔ دوسرے ائمہ بشمول ابراہیم نخعی نے مزدیبات گھر کے عوض اس کی فروخت کی اجازت دی ہے۔ (المحلی جلد ۷ صفحہ ۳۸۶)

(۲۰) رہن

جمہور ائمہ کے نزدیک تو سفر اور حضر میں رہن جائز ہے۔ لیکن امام داؤد کے نزدیک یہ جواز صرف سفر تک محدود ہے۔ قرآن مجید سے بھی اس مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ وان کنتم علی سفر فرھن مقبوضة (البقرہ)

قال داؤد ھو مختص بالسفر۔ امام داؤد نے کہا کہ رہن سفر کے ساتھ مخصوص ہے[۵]۔

(رحمۃ الائمۃ فی اختلاف ائمہ جلد ۲ صفحہ ۷)

(۲۱) پردہ

فقہاء نے شریف زادیوں اور لونڈیوں کے لئے پردہ کے علیحدہ علیحدہ احکام بیان کئے ہیں۔ جہاں شریف زادیوں کو دوپٹہ لینے کی اجازت ہے وہاں لونڈیوں کو دوپٹہ اوڑھنے کی سخت ممانعت ہے۔ بلکہ فقہ کی کتابوں میں عمر فاروقؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ جس لونڈی کے سر پر دوپٹہ دیکھتے تھے، سزا دیکر زبردستی اس کے سر سے اُتار دیتے تھے[۶]۔ الفاظ یہ ہیں۔

---

[۵] لیکن مرہونہ شے سے نفع حاصل کرنا ربوٰا کے مترادف اس لئے خلاف حکم قرآنی ہے۔ (طلوع اسلام)

[۶] صاف نظر آتا ہے کہ یہ روایت غلط ہے اسلام میں آزاد عورت اور آزاد کردہ لونڈی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ عورت ہونے کے اعتبار سے دونوں یکساں واجب التکریم ہوتی ہیں۔ (طلوع اسلام)

"وکان عمر رضی اللہ عنہ اذا رأی جاریۃ متقنعۃ علاھا بالدرۃ وقال الق عنک الخمار یا دفار اتشبھین بالحرائر۔" (ھدایہ اخرین صفحہ ۳۶۶)

مرد کے لئے ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ستر میں شامل نہیں۔ "وعورۃ الرجل ما تحت السرۃ الی الرکبۃ۔" (ہدایہ اولین مجیدی صلا)

دوسرے ائمہ کے نزدیک گھٹنے ستر میں شامل نہیں۔

چہرہ اور ہاتھوں کے سوا عورت کے لئے بقیہ جسم کا پردہ میں رکھنا ضروری ہے۔

"وبدن الحرۃ کلھا عورۃ الا وجھھا وکفیھا۔" (ہدایہ اخرین صفحہ ۴۴۲)

تاہم وہ محرم عورتوں کے چہرے، سر، سینہ، پنڈلیوں اور بازوں کو دیکھ سکتا ہے[10]

(ایضاً ص ۴۴۵)

وہ محرم کے جسم کے جس حصے کو دیکھا جا سکتا ہے۔ دوسرے کی لونڈیوں کے ان اعضاء کو بھی دیکھنے کی اجازت ہے اور اگر خریدنے کا ارادہ ہو تو چھو اور ٹٹول بھی سکتا ہے۔ چاہے اس کی شہوت ہی کیوں نہ بیدار ہو جائے۔[11]

"وینظر الرجل من مملوکۃ غیرہ الی ما یجوز ان ینظر الیہ من ذوات محارمہ ولا باس بان یمس ذلک اذا اراد الشراء وان خاف ان یشتھی۔" (ایضاً صفحہ ۴۴۶)

(۲۲) **ڈاڑھی کا مسئلہ** ہمارے ہاں اس مسئلہ کی اہمیت حلال وحرام سے بھی زیادہ ہے۔ مودودی صاحب نے اس غلو کو کم کرنے کی کوشش کی فرماتے ہیں :-

"کہ آپ کا یہ خیال کہ نبی صلعم جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے اتنی بڑی ڈاڑھی سنت رسولؐ یا اسوہ رسولؐ ہے یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عادات رسولؐ کو بعینہٖ وہ سنت سمجھتے ہیں جس کو جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جاتے رہے ہیں مگر میرے نزدیک صرف یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا، پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت ہے۔ اور ایک خطرناک تحریف فی الدین ہے۔ جس سے نہایت برے

---

[10] پردے کے متعلق تصریحات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ (طلوع اسلام)۔

[11] غور کیجئے کہ ہمارا معاشرہ کس سطح پہ پہنچ گیا تھا؟ (طلوع اسلام)۔

نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آیندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔

(رسائل ومسائل جلد اول صفحہ ۲۰۷)

حنفیہ کے سوا جمہور ائمہ کے نزدیک داڑھی سنت ہے اور سنت کا حکم یہ ہے

يثابُ فاعلها ولا يعاقب تاركها (الفقه على المذاهب الاربعة جلد اصفحہ ۵۹۲)

کہ عمل کرنے والا مستحق ثواب ہوگا اور تارک پر کوئی گرفت نہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلامی حکومت میں داڑھی منڈانا جرم ہوگا۔ اگر جرم ہوگا تو اس کی کیا سزا ہوگی۔ ایسا کوئی حکم تو موجود نہیں۔ البتہ اگر کوئی دوسرا کسی کی داڑھی زبردستی مونڈھ دے تو اس کا یہ حکم ملتا ہے۔

ولحية الكوسج ان كان على ذقنه شعرات معدودة فلا شئ في حلقه لان وجوده يشينه ولا يزينه وان كان اكثر من ذلك وكان على الخد والذقن جميعاً لكن غير متصل ففيه حكومة عدل لان فيه بعض الجمال وان كان متصلاً ففيه كمال الدية لانه ليس بكوسج وفيه معنى الجمال وهذا كله إذا فسد المنبت فان نبتت حتى استوى كما كان لا يجب شيئ لانه لم يبق اثر الجناية ويؤدب على ارتكابه۔ (هدايه اخرين كتاب الديات صفحه ۵۷۳)

کھوسے کی داڑھی جب کہ صرف اس کی ٹھوڑی پر چند بال ہوں کوئی اگر مونڈ دے تو ایسے شخص پر کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ ایسی داڑھی اس کے لئے باعثِ خوبصورتی نہیں ہے۔ اور اگر داڑھی کے بال زیادہ ہوں اور ٹھوڑی اور رخساروں دونوں پر ہوں لیکن باہم متصل نہ ہوں تو اس کے متعلق دو صاحب عدل فیصلہ دیں گے۔ کیونکہ ایسی صورت میں داڑھی کچھ باعثِ خوبصورتی ہے۔ اگر تمام داڑھی باہم ملی ہوئی ہو تو پھر دیت لازم آئے گی۔ کیونکہ وہ شخص کھوسا نہیں بلکہ داڑھی اس کے لئے باعثِ زینت تھی اور یہ احکام صرف اس صورت کے لئے ہیں جب کہ داڑھی کے دوبارہ اُگنے کا امکان نہ ہو اور اگر وہ پہلے کی طرح اگ آئے تو پھر کوئی سزا نہیں۔ کیونکہ جرم کا اثر باقی ہی نہیں رہتا۔ تاہم ایسے شخص کی تادیب کی جائے گی۔ (ایضاً)

۲۳- مضاربت "بنکوں کو مسلمان بنانے" کے لئے مضاربت کی اصطلاح کثرت سے استعمال کی جا رہی ہے اور صدیہ ہے کہ یہ نظریہ پیش کرنے والے اس کی صحیح تعریف سے آگاہ نہیں ہیں۔ وہ اس سے نفع نقصان میں شرکت مراد لیتے ہیں۔ فقہا کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے:-

هي في اللغة عبارة ان يدفع شخص مالاً لآخر ليتجر فيه على ان يكون

الربح بینھما علی ما شرطا والخسارۃ علی صاحب المال۔
(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ جلد ۳ صفحہ ۳۴)

(ترجمہ) لغت میں مضاربت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص دوسرے کو تجارت کی غرض سے سرمایہ مہیا کرے کہ نفع تو ان کے درمیان بہ مطابق حصہ ہوگا لیکن نقصان کا ذمہ دار صرف صاحبِ مال ہوگا۔
یعنی نفع میں تو شریک ہوگی لیکن نقصان سب کا سب سرمایہ والے کے ذمہ ہوگا بلکہ اس دوران کارندہ کے اخراجات بھی سرمایہ ہی سے پورے ہونگے۔

ونفقۃ العامل من المال فی سفرہ من طعامہ وکسوتہ وما یصلحہ بالمعروف بقدر المال۔ (تنویر الحوالک جلد ۲ صفحہ ۸۰)
کام کرنے والے حصہ دار کا سفرخرچ مثلاً کھانا۔ کپڑے وغیرہ سرمایہ کی مقدار کے لحاظ سے سرمایہ ہی سے پورے ہوں گے۔

ان اخراجات کے بعد جو نفع ہوگا وہ بمطابق حصہ تقسیم ہوگا۔ نقصان کی صورت میں کارندہ پر کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ مال اس کے پاس بطور امانت تصور کیا جاتا ہے۔

ثم المدفوع الی المضارب امانۃٌ فی یدہ (ھدایہ اخرین کتاب المضاربۃ ص ۱۸۰)
مضاربت کی اجازت عام نہیں بلکہ بحالت مجبوری۔

اِنّ بالناسِ حاجۃٌ الی عقد المضاربۃ فصاحب المال قد یکونُ عاجزاً عَن التصرف بنفسہٖ۔ (المبسوط جلد ۲۲ صفحہ ۱۷)
مضاربت کے اصول پر کام کرنا ایک انسانی ضرورت ہے کیونکہ بعض اوقات صاحب سرمایہ خود کاروبار سے عاجز ہوتا ہے۔

یہ اجازت محدود اس لئے ہے کہ بعض ائمہ کو اس کے شرعی مسئلہ ہونے میں بھی کلام ہے۔ قال ابن حزم فی مراتب الاجتماع کل ابواب الفقہ فلھا اصلٌ مِنَ الکتاب والسنۃ حاشا القراض فما وجدنا لہٗ اصلاً فیھا البتۃ۔ (نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۲۸۲)
علامہ ابن حزم مراتب الاجتماع میں فرماتے ہیں کہ فقہ کی ہر باب کی اصل کتاب و سنت ہے مگر مضاربت کہ ہم نے کتاب و سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں پائی۔[۱۲]

---

[۱۲] ان مسائل کے متعلق "تحقیقِ ربوا" کے مضمون میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے جو طلوع اسلام بابت فروری سنہ ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا۔ (طلوع اسلام)۔

(۲۴) سود ہمارے ہاں سود سے مراد عام طور پر بنک کا سود مراد لیا جاتا ہے۔ اسلام میں اصل زر سے جو کچھ بھی بغیر محنت دکھائی کے زیادہ لیا جائے۔ وہ سود ہے۔ کچھ مشتبہ چیزوں کے سود ہونے کی وضاحت خود نبی صلعم فرما گئے ہیں۔ وہ چیزیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **ربوالفضل** اس کی حرمت کے متعلق اس مضمون کی کئی احادیث ہیں۔ **الذھب بالذھب مثلاً بمثلٍ وزناً بوزنٍ۔ یداً بیدٍ والفضل ربوٰ** ۔۔۔ اس کی تفصیل کتاب سود کے مصنف کی زبانی سنئے۔

" جیساکہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں قدیم زمانے میں تمام سکے خالص چاندی سونے کے ہوتے تھے اور ان کی قیمت دراصل ان کی چاندی اور ان کے سونے کی قیمت ہوتی تھی۔ اس زمانے میں درہم کو درہم سے اور دینار کو دینار سے بدلنے کی ضرورت ایسے مواقع پر پیش آتی تھی۔ مثلاً جب کہ کسی شخص کو عراقی درہم کے عوض رومی درہم درکار ہوتے۔ یا رومی دینار کے بدلے ایرانی دینار کی حاجت ہوتی۔ ایسی ضرورتوں کے مواقع پر یہودی ساہوکار اور دوسرے ناجائز نفع کمانے والے لوگ کچھ اس طرح کا ناجائز منافع وصول کرتے تھے جیسا موجودہ زمانے میں بیرونی سکوں کے مبادلہ پر بٹاوَن لی جاتی ہے یا اندرون ملک روپیہ کی ریزگاری مانگنے والوں یا دس اور پانچ کا نوٹ تڑانے والوں سے کچھ پیسے یا آنے وصول کرلئے جاتے ہیں۔ یہ چیز چونکہ سودخوارانہ ذہنیت کی طرف لے جانے والی ہے اس لئے نبی صلعم نے حکم دے دیا کہ نہ تو اس چاندی کا تبادلہ چاندی سے اور سونے کا تبادلہ سونے سے کمی بیشی کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ اور نہ ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچنا درست ہے۔ (سود جدید ایڈیشن صفحہ ۱۵۷)

(۲) زمین کی بٹائی کو بھی آپ نے سود قرار دیا ہے۔

ایک روایت میں حضرت رافع بن خدیجؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی کھیتی کو پانی دے رہا تھا وہاں سے حضور کا گزر ہوا تو پوچھا یہ کس کی کھیتی ہے اور کس کی زمین ہے۔ میں نے عرض کیا۔ میری کھیتی ہے اس میں تخم اور عمل میرا ہے۔ آدھی پیداوار میری ہوگی اور آدھی مالک زمین قبیلہ کی۔ آپ نے فرمایا کیا تم سود کا کاروبار کرتے ہو۔ زمین مالکوں کو واپس کر دو اور ان سے اپنا خرچ وصول کرلو۔

(سنن ابو داؤد باب المزارعۃ)

دوسری روایت بھی سنن ابو داؤد ہی کی ہے اور اس کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بٹائی نہ چھوڑے وہ اللہ اور رسول کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو جائے۔ (ایضاً)

قرآن مجید میں سود کے بارے میں یہی وعید آئی ہے۔
امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۳) تیسری چیز مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ ہے۔ اس کے متعلق فرمانِ نبویؐ یہ ہے۔ مَنْ أَجَرَ ارض مکہ فکانما اکل الربوا ـــــ جس نے مکہ شریف کی زمین کا کرایہ وصول کیا تو اس نے گویا سود کھایا۔ حنفی فقہ کا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔ ویکرہ اجارتها ایضاً لقوله علیه السلام من أجر ارض مكة فكانما اكل الربوا۔ (ہدایہ اخرین کتاب الکراہیۃ صفحہ ۴۷۶)

ترجمہ۔ مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ لینا جائز نہیں۔ اس فرمانِ نبوی کے مطابق کہ جس نے اس کا کرایہ وصول کیا اس نے گویا سود لیا۔[۱۳]

(۲۵) شرابی پر حد — اس ام الخبائث کی برائیوں سے کسے بھی انکار نہیں، لیکن حیرت ہے کہ جہاں قرآن مجید میں اس کو سختی سے ختم کرنے کا حکم ہے فقہ میں اس سلسلے میں بہت نرمی اختیار کی گئی ہے۔ جس کا اندازہ مندرجہ احکام سے ہو گا۔

(۱) ونبیذ العسل والتین ونبیذ الحنطة والذرة والشعیر حلال وان لم یطبخ وهذا عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله إذا کان من غیر لهو وطرب لقوله علیه السلام الخمر من هاتین الشجرتین واشار الی الکرمة والنخلة خص التحریم بهما۔
(هدایه اخرین کتاب الاشربة صفحه ۴۸۱)

شہد، انجیر، گندم، باجرہ اور جَو کی غیر پختہ شراب امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اس شرط پر کہ اس کے ساتھ لہو ولعب نہ ہو۔ کیونکہ حضور صلعم نے انگور اور کھجور کے درخت کی طرف اشارہ فرما کر کہا کہ شراب صرف ان دو درختوں سے بنتی ہے۔ اس لئے حرمت ان دو ہی کے ساتھ مخصوص ہوا۔

(۲) وهو نصٌّ علی انّ ما یتخذ من الحنطة والشعیر والعسل والذرة حلالٌ عند ابی حنیفة ولا یحدّ شاربه عنده وان سکر منه (ایضاً صفحہ ۴۸۰)

---

[۱۳] ان مسائل کے متعلق "تحقیقِ ربوا" کے مضمون میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے جو طلوع اسلام بابت فروری ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا تھا۔ (طلوع اسلام)

گندم، جَو، شہد اور باجرہ سے بنی ہوئی شراب چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اس لئے اگر اس سے مستی ہی کیوں نہ آجائے ایسے شرابی پر حد نہ آئے گی۔

(۳) ولا باس بالخلیطین لما روی عن ابن زیاد انہ قال سقانی ابن عمر شربۃ ماکنت اھتدی الی اھلی۔ (ایضاً)

خلیطین (ایک قسم کی شراب جو کھجور اور انگور کے عرق کو ملاکر بنائی جاتی ہے) کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ جیساکہ ابن زیاد سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے مجھے کچھ ایسی چیز پلائی کہ میں خمار کی وجہ سے گھر تک کا راستہ نہ پاسکتا تھا۔

(۴) وعصیر العنب اذا طبخ حتی ذھب ثلثاہ وبقی ثلثہ حلال وان اشتد

انگوروں کا نچوڑ اس طرح پکایا جائے کہ اس کا دو تہائی خشک ہوجائے تو بقیہ ایک تہائی کا اثر خواہ کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو وہ حلال ہے۔ (ایضاً صفحہ ۴۸۱)

شراب کو سرکہ میں تبدیل کردیا جائے تو وہ حلال ہوجاتا ہے چاہے وہ خود بخود سرکہ بن گیا ہو یا کسی چیز کے ڈالنے سے اور شراب کا سرکہ بنا لینے میں کوئی کراہت نہیں۔ (ایضاً ۴۸۴)

شرابی کی سزا

فان اقر بعد ذھاب رائحتھا لم یحد عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف۔ (ہدایہ اولین مجیدی صفحہ ۵۰۰)

اگر شرابی، شراب کی بُو ختم ہونے کے بعد کرے تو اس پر کوئی حد نہیں۔ اور ایسا شخص جس کے منہ سے شراب کی بُو تو آرہی ہو لیکن شہادت نہ ملتی ہو اس پر کوئی حد نہیں۔ (ایضاً ۵۰۱)

ومن اقر بشرب الخمر والسکر ثم رجع لم یحد۔ اگر کوئی شراب پینے اور نشہ چڑھنے کا اقرار کرکے مکر جائے تو اس پر کوئی حد نہیں۔ (ایضاً ۵۰۲)

(۲۶) چوری کی سزا

شراب کی طرح چوری کے احکام میں بھی زیادہ نرمی اختیار کی گئی ہے۔ چوری کے نصاب کی حد یہ ہے۔

فقہاء عراق کے نزدیک قطع ید کی حد دس درہم ہے۔ اما فقہاء العراق فالنصاب الذی یجب القطع فیہ عندھم عشرۃ دراھم۔ قاضی ابن ابی لیلی اور ابن شبرمہ کے نزدیک یہ حد پانچ درہم ہے۔ وقد قال جماعۃ منھم ابن ابی لیلی وابن شبرمۃ لا تقطع الید فی اقل من خمسۃ دراھم بعض علماء کے نزدیک یہ حد چار درہم ہے اور عثمان البتی کے نزدیک صرف دو درہم۔ وقد قیل فی اربعۃ دراھم وقال عثمان البتی فی درھمین۔ امام شافعیؒ کے

کے نزدیک یہ چوتھائی دینار ہے۔

وقال الشافعی الاصل فی تقویم الاشیاء ھو ربع الدینار وھو الاصل ایضاً الدراھم فلا یقطع عندہٗ فی الثلاثۃ دراھم الا ان تساوی ربع الدینار۔

فقہاء حجاز یعنی امام مالک وغیرہم چاندی کے تین دراہم اور چوتھائی دینار پر عمل پیرا ہیں۔

مندرجہ ذیل صورتوں میں چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی۔

(۱) ولا یقطع فیما یوجد تافہاً مباحاً فی دار الاسلام کالخشب والحشیش والقصب والسمک والطیر (وفی الطیر الدجاج والبط والحمام) والصید والزرنیخ والمغرۃ والنورۃ۔ (ہدایہ مجیدی جلد ۲ صفحہ ۵۱۲)

ترجمہ :- دارالاسلام میں جو چیز کم قیمت اور عام ہوں۔ مثلاً خشک لکڑی۔ گھاس۔ بانس مچھلی اور پرندے (پرندوں میں مرغی، بطخ، اور کبوتر شامل ہیں) شکار۔ ہڑتال عمدہ مٹی اور چونا کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

(۲) ایسی چیزیں جو جلدی خراب ہوجاتی ہیں مثلاً دودھ۔ گوشت اور تازہ پھل' ان کی چوری پر بھی قطع ید نہ ہوگا۔ (ایضاً ۵۱۳)

(۳) ولا قطعٌ علی سارق الصبی الحر وان کان علیہ حلی (ایضاً ۵۱۴)

آزاد بچہ جو زیور پہنے ہوئے ہی کیوں نہ ہو اس کی چوری (اغوا) پر کوئی حد نہیں۔

(۴) ولا یقطع السارق من بیت المال لانہٗ مال العامۃ (ایضاً)۔

بیت المال کے چور کے ہاتھ بھی نہیں کاٹے جائیں گے۔ کیونکہ وہ عوام کی مشترکہ ملکیت ہے۔

(۵) ولا قطع علی من سرق مالا من حمام او من بیت اذن للناس فی دخولہ لوجود الاذن عادۃً ویدخل فی ذلک حوانیت التجارۃ والخانات الا اذا سرق منہا لیلاً لانہا بنیت للاحراز الاموال وانما الاذن یختص بالنہار (ایضاً صفحہ ۵۱۸)

جس نے حمام یا ایسی جگہ جہاں لوگوں کو عام طور پر اجازت ہے۔ مثلاً تجارتی دکانیں اور ہوٹل وغیرہ میں اگر دن کے وقت چوری کی تو اس پر کوئی حد نہیں۔

(۶) واذا نقب اللص البیت فدخل واخذ المال وناولہٗ آخرٌ خارج البیت فلا قطعٌ علیہما ـــــ چور نقب لگاکر گھر میں داخل ہوا اور چوری کا مال باہر کسی اور

کو پکڑا دیا تو دونوں پر قطع ید کی سزا نہیں۔ (ایضاً)

(۷) مہمان اگر میزبان کی چوری کرے تو اس پر کوئی حد نہیں۔ (ایضاً)

(۸) وکذلک ان حملہ علی حمار فساقہ واخرجہ ۔ اس طرح اس چور کے ہاتھ بھی نہیں کاٹے جائیں گے جو نقب لگا کر اندر گیا اور چوری کا سامان گدھے وغیرہ پر لاد کر باہر لے آیا۔

(ایضاً صفحہ ۵۱۹)

(۹) وان طر صرۃ خارجۃ من الکم لم یقطع ۔ اگر آستین سے نکلی ہوئی تھیلی کاٹ لے تو اس پر قطع ید نہیں۔ (ایضاً)

(۱۰) وان سرق من القطار بعیرا او حملا لم یقطع ۔ اگر اونٹوں کی قطار سے اونٹ یا اس کا بوجھ چرا لیا تو ایسے چور کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔ (ایضاً)

(۱۱) واذا ادعی السارق ان العین المسروقۃ ملکہ سقط القطع عنہ وان لم یقم بینۃ ۔ اگر چور بلا دلیل کے یہ دعویٰ کر دے کہ چوری شدہ مال اس کی ملکیت ہے تو اس پر کوئی حد نہیں۔ (ایضاً ۵۲۲)

غرض کہ ہدایہ کے اس باب میں اس قسم کی بیسوں صورتیں ملتی ہیں جن پر قطع ید نہیں۔ میرے خیال میں تو جو تھوڑی سی صورتیں ہم نے نقل کی ہیں اس کے بعد شاید ہی قطع ید کی کوئی ضرورت پیش آتی ہو۔

(۲۷) حد زنا

زنا بھی ان جرائم کبیرہ میں سے ہے جنہیں قرآن نے قابلِ تعزیر گناہ قرار دیا ہے اور اس کے لئے کوڑوں جیسی سخت سزا کا حکم دیا ہے۔ تاہم فقہاء شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زانی کی سزا میں فرق کرتے ہیں۔ غیر شادی شدہ زانی کی سزا تو وہی ہے جو قرآن مجید نے مقرر کی ہے۔ ہاں شادی شدہ زانی کی سزا رجم بیان کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ حکم بھی قرآن کی ایک آیت کے تحت ہے جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے لیکن حکم باقی ہے[۱] ۔ وہ آیت اس طرح بیان کی جاتی ہے۔

الشیخ والشیخۃ فارجموھما البتۃ نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم۔

چنانچہ جہاں قرآن کے حکم سے زیادہ سختی اختیار کی گئی تو عملی طور پر دشواریاں پیش آئیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ زنا کے احکام میں اتنی نرمی اختیار کی گئی کہ قرآن مجید کی اصلی سزا کے نفاذ کا امکان بھی نہیں رہتا۔

(۱) ولاحد علی من وطی جاریۃ ولدہ وولد ولدہ وان قال

---

[۱] یعنی یہ آیت تو قرآن کریم میں موجود نہیں لیکن اس کا حکم موجود ہے۔ یا للعجب! (طلوع اسلام)۔

علمت انها علی حرامٌ ۔ (ھدایہ اولین مجیدی صفحہ ۴۸۹)

اگر کوئی شخص اپنے بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے زنا کرے اور پھر یہ اقرار بھی کرے کہ اسے اس کی حرمت کا علم تھا تو پھر بھی اس پر کوئی حد نہیں۔

(۲) ومَن وطی اجنبیۃ فیما دون الفرج یعزر (ایضاً ۴۹۰)

جس نے کسی اجنبی عورت سے فرج کے سوا کسی دوسری جگہ زنا کیا تو اس پر حد نہیں بلکہ اسے تعزیر کی جائیگی۔

(۳) ومَنْ زنی فی دار الحرب او فی دار البغی ثم خرج الینا لا یقام علیہ الحد۔

جس نے دار الحرب یا باغیوں کے علاقہ میں زنا کیا۔ اور پھر دار الاسلام چلا آیا تو اس پر کوئی حد نہیں۔

(۴) ومَنْ اقرّ اربع مرات فی مجالس مختلفۃ اَنَّہٗ زنی بفلانۃ وَ قالت ھی تزوجنی او اقرت بالزناء و قال الرجل تزوجتہا فلا حدَّ علیہ و علیہ المہر۔

اگر کسی نے مختلف مجلسوں میں یہ اقرار کیا کہ اس نے فلاں عورت سے زنا کیا لیکن عورت کہے کہ نہیں اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے یا عورت زنا کا اقرار کرے اور مرد نکاح کا دعوے کرے تو اس پر کوئی حد نہیں تاہم وہ عورت کو حق مہر ادا کرے گا۔ (ایضاً صـ۴۹۳)

(۵) اگر دو گواہ زنا بالجبر کی گواہی دیں اور دو کہیں کہ عورت نے اس کو اپنی طرف متوجہ کیا تو ان سب پر کوئی حد نہیں۔ (ایضاً صـ۴۹۵)

(۶) وان شھد اربعۃ" انہ زنی بامراۃ بالنخیلۃ عند طلوع الشمس و اربعۃ انہ زنی بھا عند طلوع الشمس بدیرھند درئی الحد عنھم جمیعاً" ۔

کسی شخص کے متعلق چار گواہ اس امر کی شہادت دیں کہ اس نے بمقام نخیلہ فلاں عورت سے بوقت صبح زنا کیا اور دوسرے چار گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس نے یہ کام "دیرہند" کے مقام پر صبح کے وقت کیا تو ان میں سے کسی پر حد نہ ہوگی [۱]

بادشاہ کے خدائی حقوق

اس عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اور یہ حکمران خدا کے سوا کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں۔ اصل میں

[۱] شراب۔ چوری اور زنا کے متعلق جو احکام اوپر مذکور ہوتے ہیں ان سے صاف پتہ چل سکتا ہے کہ جس زمانے میں یہ وضع کئے گئے تھے اس زمانے میں ہمارے معاشرہ کی حالت کیا تھی۔ (طلوع اسلام)

یہ ایک یہودی عقیدہ ہے جسے انگلستان کے بادشاہ جیمز دوم نے اپنی مملکت کا دستور بنایا۔ حکمران طبقہ مذہبی گروہ سے مل کر وقتاً فوقتاً اس اصول سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔

الیافعی نے اپنی تاریخ میں یزید بن عبدالمالک کے زمانہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے: اتو بار بعین شیخا د شهدوا له ان الخلفاء لاحساب علیهم ولاعذاب۔ چالیس شیوخ (اساتذہ) نے آکر اس امر کی گواہی دی کہ خلفا قیامت کے دن بغیر حساب کے بخشے جائیں گے۔

(تاریخ الیافعی صفحہ ۲۴۴ بحوالہ امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی صفحہ ۶۴)۔

یہ عقیدہ چونکہ اسلام سے میل نہیں کھاتا اس لئے مولانا مناظر احسن گیلانی اس پر اظہار افسوس فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اور پھر اس شہادت کے ادا کرنے والے شیخ کس معنی کے لحاظ سے تھے۔ ان کی پیری شیخوخیت سفیدئ مو والی پیری تھی یا کیا تھی بہر حال ان کو تو جانے دیجئے۔ حیرت تو اس پر ہے کہ بڑا طبقہ محدثین کا ان ہی دنوں پیدا ہو گیا تھا جس نے اس عقیدہ کو اپنا دین بنا لیا تھا ابو بکر جصاص اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وزعموا مع ذلك ان السلطان لا ینکر علیه الظلم والجور وقتل النفس التی حرم الله وانما ینکر علی غیر سلطان بالقول او بالید بغیر سلاح۔

(ترجمہ) ان لوگوں کا اس کے ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ ظلم وجور اور بے گناہ لوگوں کے قتل وغیرہ افعال کا صدور بادشاہِ وقت سے اگر ہو تو اس کے خلاف آواز بلند کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے۔ ہاں بادشاہوں کے سوا عوام کو ٹوکنا درست ہے اور وہ بھی صرف زبان کی حد تک۔ ہتھیار تو بہر حال کسی کے مقابلہ میں اٹھانا شرعاً جائز نہیں ہیں۔

(احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۴ بحوالہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی صفحہ ۶۴)

تھوڑی سی نرمی کے ساتھ یہ عقیدہ حنفی فقہ میں بھی موجود ہے۔

وکل شیئ صنعهُ الامامُ الذی لیس فوقَهُ امامٌ فلاحدَّ علیه الا القصاص — ایسا امیر جس کے اوپر کوئی دوسرا امیر نہیں، قتل کے سوا جو جرم بھی کرے تو اس پر کوئی حد نہیں۔ (ہدایہ اولین مجیدی صفحہ ۴۹۳، باب الوطئ الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ)[۱]

---

[۱] جب مسلمانوں نے "بادشاہت" کو شرعاً جائز تسلیم کر لیا تو پھر اس کے ان نتائج وعواقب پر رونا کیسا؟ (طلوع اسلام)

(۲۹) محراب مسجد ہمارے ہاں ہر مسجد میں محراب ہے لیکن بعض ائمہ کا مسجد میں ہونا مکروہ سمجھتے ہیں علامہ ابن حزم فرماتے ہیں و تکرہ المحاریب فی المساجد

کہ مسجدوں میں محراب بنانا مکروہ ہے اما المحاریب فمحدثۃ وانما کان رسول اللہ صلعم یقف وحدہ و یصف الصف الاول خلفہ کہ محرابیں نیا اضافہ ہیں۔ جو عہد نبوی میں نہیں تھیں۔ ایک صف میں خود حضورؐ کھڑے ہوتے اور دوسری صف آپ کے پیچھے بنتی۔ (المحلی لابن حزم جلد ۴ صفحہ ۲۳۹)

حضرت علی ابن طالب بھی مسجدوں میں محراب ناپسند کرتے تھے۔

وعن علی ابی ابن طالب انہ کان یکرہ المحراب فی المسجد۔ (ایضاً)

ابراہیم نخعی امام کے طاقچہ (محراب) میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے اور سفیان الثوری فرماتے ہیں کہ ہم بھی اسے مکروہ خیال کرتے ہیں۔ (ایضاً - ۲۴۰)

وعن کعب یکون فی آخر الزمان قوم تنقص اعمارھم یزینون مساجدھم ویتخذون بھا مذابح کمذابح النصاری فاذا فعلوا ذلک صب علیھم البلاء وھو قول محمد بن الجریر الطبری وغیرہ۔

(ترجمہ) حضرت کعب سے روایت ہے کہ آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی جن کی عمریں کم ہونگی اور وہ اپنی مساجد کو سجائیں گے۔ اور اس میں نصاری جیسی قربان گاہیں یعنی محراب بنائیں گے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو ان پر مصیبت ٹوٹ پڑے گی اور محمد بن جریر الطبری وغیرہم کا بھی یہی مسلک ہے (ایضاً)۔

(۳۰) تصویر کا شرعی حکم ائمہ اربعہ صرف ایسی تصویر کو حرام کہتے ہیں جس کا سایہ ہو یعنی وہ مجسم ہو۔ بغیر سایہ کے تصویر ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔

الحنفیہ قالوا تصویر غیر الحیوان من شجر ونحوہ جائز۔ اما تصویر الحیوان فان کان علی بساط او وسادۃ او ثوب مفروش او ورق فانہ جائز لان الصورۃ فی ھذہ الحالۃ تکون ممتھنۃ وکذلک یجوز اذا کانت الصورۃ ناقصۃ عضوا لا یمکن ان تعیش بدونہ کالراس ونحوھا۔

(ترجمہ) غیر جاندار اشیاء مثلاً درخت وغیرہ کی تصویر جائز ہے اور اگر جاندار اشیاء کی تصاویر چٹائی۔ تکیہ۔ دری یا کاغذ پر ہوں تو وہ بھی جائز ہیں۔ کیونکہ ان صورتوں میں تصویر کے احترام کا کوئی پہلو ہی نہیں۔ اس طرح ایسی تصویر جس میں ایسا عضو نہ ہو جس کے بغیر جاندار زندہ نہ رہ سکتا ہو مثلاً سر وغیرہ

تو ایسی تصویر بھی جائز ہے)۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۲ صفحہ ۴۱)

امام مالکؒ کا مذہب اور بھی واضح اور مفصل ہے۔ ان کے نزدیک کسی جاندار چیز کی تصویر کی حرمت کے لئے چار شرائط کا پایا جانا لازمی ہے۔

پہلی شرط:۔ احدھا ان تکون الصورۃ لحیوانٍ سواءٌ عاقلاً اوغیرعاقل حرمت کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کسی عاقل یا غیر عاقل جاندار کی ہو۔

دوسری شرط:۔ یہ ہے کہ وہ تصویر مجسم ہو۔ ان تکون مجسدۃٌ ۔ (ایضاً صفحہ ۴۰)

اما اذا لم تکن مجسدۃً کصور الحیوان والانسان التی ترسم علی الورق والثیاب والحیطان والسقف ونحو ذلک ففیہا خلاف بعضہم یقول انہا مباحۃٌ مطلقۃ بلا تفصیلٍ وبعضہم یقول انہا مباحۃٌ اذا کانت علی الثیاب التی تستعمل فرشاً (ایضاً)۔

(ترجمہ) اگر حیوان یا انسان کی تصاویر مجسم نہ ہوں یعنی وہ کسی کاغذ، کپڑے یا دیوار یا چھت وغیرہ پر ہوں تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض مالکیہ کے نزدیک تو یہ مطلقاً جائز ہے۔ یعنی صرف اس صورت میں جواز کے قائل ہیں جب کہ وہ بطور فرش استعمال ہوں۔

تیسری شرط:۔ حرمت کی تیسری شرط تصویر کا مکمل الاعضاء ہونا ہے۔

ثالثہا ان تکون کاملۃ الاعضاء الظاھرۃ التی لا یمکن ان یعیش الحیوان او الانسان بدونہا فان تعیبت بطنہا او راسہا او نحو ذلک فانہا لا تحرمُ ۔ (ایضاً)

تیسری شرط یہ ہے کہ تصویر کے تمام ایسے ظاہری اعضا مکمل ہوں جن کے بغیر انسان یا حیوان کا جینا ممکن نہ ہو۔ مثلاً اگر اس تصویر کا پیٹ یا سر وغیرہ اڑا دیا جائے تو ایسی تصویر حرام نہ ہو گی۔

چوتھی شرط:۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس تصویر کا سایہ نہ ہو۔

رابعہا ان تکون لہا ظلٌ فان کانت مجسدۃً ولکن لا ظلَّ لہا بان بنیت فی الحائط ولم یظہر منہا سوی شیئٍ لا ظلَّ لہٗ فانہا لا تحرم حرمتِ تصویر کی چوتھی شرط یہ ہے کہ تصویر سایہ دار نہ ہو۔ اور اگر مجسم تصویر بھی بغیر سایہ کے ہو۔ مثلاً وہ دیوار میں اس طرح بنائی گئی ہو کہ اس کا صرف وہ حصہ نظر آئے جس کا سایہ نہ ہو تو اس صورت میں بھی تصویر جائز ہو گی۔ (ایضاً)

ان شرائط کو مدنظر رکھا جائے تو فوٹو کی حرمت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حنابلہ حنابلہ کا بھی تقریباً یہی مسلک ہے کہ اگر تصویر مکمل الاعضاء نہ ہو تو جائز ہے۔

فإذا كان مجسماً ولكن أزيل منه ما لا تبقى منه الحياة كالرأس ونحوها فإنها مباح۔

یعنی تصویر اگر مجسم ہو لیکن اس کا ایسا حصہ اڑا دیا جائے جس کے بغیر زندگی نامکمل ہو مثلاً سر وغیرہ۔ تو ایسی تصویر جائز ہے۔ فوٹو میں بھی مکمل اعضاء نہیں ہوتے۔ اس لئے اس اصول کے مطابق جائز ہے۔

شافعیہ وإذا كان مجسماً فإنه يحلّ التفرج عليه إذا كان على هيئة لا يعيش بها كأن كان مقطوع الرأس أو الوسط أو ببطنه ثقب ومن هذا يعلم جواز التفرج على خيال الظلّ (السينما) إذا لم يشتمل على محرم آخر لأنها صورة ناقصة۔

مجسم تصویر کا کوئی ایسا عضو مثلاً سر، پیٹ یا جسم کا درمیانی حصہ اڑا ہوا ہو کہ اس کے بغیر زندگی نامکمل ہو تو ایسی تصویر جائز ہے اس اصول کے ماتحت جاننا چاہیئے کہ پردۂ فلم پر عکس بھی ناجائز نہ ہو گا بشرطیکہ اس میں کوئی اور حرام چیز نہ ہو۔ کیونکہ پردہ پر ناقص صورت ہی پڑتی ہے[۱]۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۲ صفحہ ۴۰)

استدراک

دین ایک نظامِ زندگی کا نام ہے جس میں ہر اختلافی معاملہ کا فیصلہ اس نظام کے مرکز کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس طرح امت میں کسی قسم کا اختلاف اور تفرقہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اختلاف کو قرآن کریم نے خدا کا عذاب اور تفرقہ کو شرک قرار دیا ہے۔ اس نظام کو رسول اللہ نے قائم فرمایا اور حضورؐ کے سچے جانشینوں نے اسے آگے چلایا۔ جب تک یہ نظام قائم رہا امت میں کسی قسم کے اختلاف کا سوال پیدا نہ ہوا۔ جب اس نظام کا شیرازہ بکھر گیا اور خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تو دین مذہب کی سطح پر اتر آیا اور اجتماعی نظامِ زندگی کی جگہ انفرادی مسئلہ بن کر رہ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ متنازعہ فیہ معاملات میں مختلف ارباب الفقہ نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق فیصلے دینے شروع کر دیئے اور عوام نے

---

[۱] قرآن میں تصویر کی حرمت کا حکم کہیں نہیں آیا۔ اس میں تو بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ حضرت سلیمان بڑے بڑے نادر کار کاریگروں سے "تماثیل" بنوایا کرتے تھے۔ "تماثیل" میں تصاویر اور مجسمے دونوں آ جاتے ہیں۔ (طلوع اسلام)

اپنی فیصلوں کی اطاعت اختیار کرلی۔ دینی لامرکزیت میں اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ اس دور میں اس قسم کی روایات وضع ہوئیں کہ "شریعت اسلامیہ تین سو ساٹھ طریقوں کے مطابق آئی ہے۔ ان میں سے کوئی سا طریقہ بھی اختیار کرلینا "نجات" کے لئے کافی ہے"۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، دینی لامرکزیت میں اس کے سوا چارہ ہی نہ تھا لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ بجائے اس کے کہ یہ سمجھا جائے کہ اسلام کا منشاء یہ نہیں تھا، تصور یہ کرلیا گیا کہ یہی طریق عین مطابق اسلام ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب شریعت کے "تین سو ساٹھ طریقوں" کو عین مطابق اسلام سمجھ لیا جائے تو امت میں وحدت کس طرح پیدا ہوسکتی ہے۔ اختلاف (یعنی خدا کے اس عذاب) سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ

(۱) سب سے پہلے اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے کہ اسلام میں شریعت کا ایک اور صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ مختلف طریقے خدا کا عذاب ہیں۔

(۲) شریعت کے ایک طریق کی صورت صرف یہ ہے کہ ملک میں اسلامی نظام قائم کیا جائے۔

(۳) اسلامی نظام کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم کو ــــ جو مسلمانوں کے تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ سرچشمۂ قانون ہے ــــ قوانین کی بنیاد تسلیم کرلیا جائے اور اس کی روشنی میں اپنی ضروریات کے مطابق ایسے قوانین وضع کئے جائیں جن کا اطلاق تمام فرقوں پر یکساں طور پر ہو۔

(۴) ہر اختلافی معاملہ کا فیصلہ، مملکت کے قائم کردہ مرکزی قوانین کی طرف سے ہو ــــ

پاکستان میں اس قسم کی وحدت پیدا ہوجانے کے امکانات تھے۔ لیکن ہمارے مذہبی طبقہ کی مفاد پرستیاں اس کے راستے میں سنگِ گراں بن کر حائل ہیں۔ ۱۹۶۲ء کے آئین میں الگ الگ فرقوں کے وجود کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اور یہ وحدت امت کی طرف ایک اچھا قدم تھا۔ لیکن حضرات علمائے کرام نے مسلسل جہاد سے، اس شق کو منسوخ کرا کر آئین میں یہ ترمیم کرالی ہے کہ پرسنل لاز میں ہر فرقہ کی کتاب سنت کی تعبیر الگ الگ تسلیم کرلی جائے گی۔ سوچئے کہ جس قوم کی کیفیت یہ ہو کہ وہ پوری کوشش سے اس جہنم میں پھر سے کود جائے جس سے اُسے نکالنے کی کچھ سعی کی جائے اس قوم کو تباہی سے کون بچا سکتا ہے؟ (طلوع اسلام)

طلوعِ اسلام

میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

آج ہی ایک کارڈ لکھ کر نرخنامہ اشتہارات طلب فرمایئے۔

شاہ ولی اللہ کا نظریۂ انقلاب

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم

تمدن انسان کا فطری تقاضا ہے اور اس کی تشکیل کے لئے وہ کسی خارجی مدد کا محتاج نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو صلاحیتیں ودیعت کی ہیں ان کا ظہور تمدن کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک الگ تھلگ جزیرے میں اگر مرد اور عورت ہوں تو وہ خود اپنے طبائع سے تمدن کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

انسانی معاشرے میں اس طرح جو تمدن معرضِ وجود میں آتا ہے وہ اس وقت تک صحت مند اور صالح رہتا ہے جب تک کہ اس سے افرادِ معاشرہ کی اکثریت کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ لیکن جب ان میں معاشرتی ناہمواری افراط و تفریط کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور ایک طبقے کے پاس سب کچھ ہوتا ہے اور دوسرا اپنی ضرورتوں تک سے محروم ہو جاتا ہے تو یہ تمدن برباد کئے جانے کے قابل ہوتا ہے۔ جب کسی معاشرے کو اس صورت حال سے دوچار ہونا پڑے تو پھر اس میں انقلاب کا آنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک کاسب طبقے کی کمائی پر غیر کاسب طبقے کا قبضہ کر لینا شریعت کے خلاف ہے۔ اسی طرح خود کاسبوں کے ایک گروہ کا ان کے دوسرے گروہ کی کمائی کا زیادہ حصہ ہتھیا لینا بھی ناجائز ہے۔

جب کسی معاشرہ میں یہ حالت ایک وبائی شکل اختیار کرلے اور معاشی ناہمواری کی افراط و تفریط اس کا عام معمول بن جائے تو اس میں حتمی طور سے انقلاب آ جاتا ہے۔ چنانچہ اس معاشرے کا ایک گروہ تو انقلاب کا مبلغ بنتا ہے اور دوسرے اس کے ہمدرد ہو جاتے ہیں۔ بے شک ان ہمدردوں کے اخلاق و اطوار کا

---

[1] یہ مضمون مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی "امالی" سے مرتب کیا گیا ہے۔ (مدیر)

اثر اس انقلاب کے مظاہر پر پڑتا ہے۔ لیکن جہاں تک اس انقلاب کی روح کا تعلق ہے۔ اس کا ترجمان وہی گروہ ہوتا ہے جو انقلاب کا مبلغ و قائد ہے۔

ہر انسان کو اپنا رزق خود پیدا کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ کسی وجہ سے معذور ہے تو وہ بات دوسری ہے۔ ایک انسان کا خود اپنی روزی پیدا کرنا ایک فطری تقاضا ہے' اب ایک گھرانا ہے جس میں کمانے والے کم اور کھانے والے زیادہ ہیں۔ ظاہر ہے یہ گھرانا جلد یا بدیر تباہ ہوگا۔ اسی طرح جس معاشرے میں کاسب کم ہوں' اور کھانے والے زیادہ' وہ معاشرہ روگی ہے۔ اور اس کا ختم ہونا لابدی ہے۔ لیکن اگر ایک معاشرے میں کاسب زیادہ ہیں لیکن ان کی محنت سے جو دولت پیدا ہوتی ہے اسے منتظمین کا ایک مخصوص طبقہ دوسروں سے زیادہ لے لیتا ہے۔ یعنی حق کسب سے حق انتظام بہت زیادہ ہے تو اس صورت میں بھی یہ معاشرہ غیر صالح ہے۔ اور اس کا جانبر ہونا مشکل ہے۔

غرض انسانیت کے فساد کی سب سے بڑی وجہ یہی معاشی ناہمواری کی افراط و تفریط ہے، اس سے جہاں ایک طرف فقر و فاقہ اور عیش و عشرت عام ہوتی ہے وہاں دوسری طرف اخلاق بھی بگڑتے ہیں۔ چنانچہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسانیت کے اعلیٰ تقاضے بہت حد تک معاشی حالات کے اثرات قبول کرتے ہیں۔ اسی لئے ہم عام مرفہ الحالی اور لوگوں کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرنے کے معاملے میں بہت حد تک اشتراکیوں کے ساتھ چلنے کو تیار ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر انسانوں میں جو اخلاق (اُن کے عام معنوں میں) اور تفکر کی قوتیں ہیں۔ ان کی تربیت کیسے ہو' بے شک ہم چاہتے ہیں کہ انسانوں کی معاشی ضروریات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ لیکن ساتھ ہی انسانیت کے اس عنصر کو جو اخلاق اور تفکر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے تشنہ نہ چھوڑا جائے[۱]۔

بات یہ ہے کہ اخلاق اور فکر کے بغیر کوئی نظام پائیدار نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ جہاں ہم استحصال پسند سرمایہ داروں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے معاشرے کے بہت بڑے حصے کو معاشی لحاظ سے محتاج رکھ کر انسانیت کی سطح سے گرا دیا ہے وہاں ہمارا دوسرا الزام اُن پر یہ ہے کہ انہوں نے معاشرے

.... کے اس بڑے حصے میں سے اس طبقے کو جو اخلاق اور فکر کو ترقی دے سکتا تھا محتاج بنا کر اس قابل نہ رہنے دیا۔ چنانچہ اس لحاظ سے استحصال پسند سرمایہ داروں کا قصور دوہرا ہے۔

---

[۱] یہ دونوں باتیں قرآن کریم کے نظام اجتماعی کی مدد سے ہی ممکن ہیں۔ (طلوع اسلام)

بدقسمتی سے جب کسی وجہ سے معاشرہ کا وہ طبقہ جو اخلاق اور فکر کو ترقی دینے کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ اپنی صلاحیتوں سے صحیح کام نہیں لے سکتا تو اس کی یہ صلاحیتیں ذلیل کاموں میں صرف ہوتی ہیں، جن کی پہلی شکل تملق اور چاپلوسی ہے، اس کے ذریعہ وہ بڑوں کی خوشامد کرتا اور اس طرح اپنی معاشی احتیاجات پوری کرتا ہے۔ یہی مرض آگے چل کر غیر اللہ کی عبادت کا موجب بنتا ہے۔ اس منزل میں نفس ناطقہ کے ذاتی خواص سارے تباہ ہو جاتے ہیں اور انسانیت فاسد ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی مسخ شدہ انسانیت کو برباد کرنے کے قدرتی اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ اسے ہم انقلاب کا نام دیتے ہیں۔

قرآن مجید میں انبیاء کے جو قصے ہیں، وہ اسی قسم کے انقلاب کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عالمگیر انقلاب کے داعی تھے جس کا ایک مثالی نمونہ آپؐ نے اپنی زندگی میں سرزمین حجاز میں قائم کر کے دکھایا۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہؓ اس انقلاب کے دائرے کو اور وسیع کرتے ہیں اور ان کے عہد میں وہ سلطنتیں جو فسادِ انسانیت کا باعث تھیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور صحت مند انسانیت کا کارواں آگے بڑھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی کتابوں میں آپ کو اسلام کے اس تاریخی کردار کے بارے میں اس طرح کے افکار ملیں گے، جنہیں وہ اپنی کتابوں میں بار بار بیان کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک انبیاء کا کام فسادِ انسانیت کو ختم کر کے صالح انسانیت کے لئے سازگار حالات پیدا کرنا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے وہ ائمۂ انقلاب ہوتے ہیں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے بلند ہے اور وہ اس لئے کہ آپ کی دعوت سب سے زیادہ عالمگیر ہے۔

اب ایک طرف آپ کو حضرت شاہ صاحب کی کتابوں میں یہ افکار ملتے ہیں اور دوسری طرف وہ ان مفاسد کا ذکر کرتے ہیں جو ان کے زمانے میں عام ہو گئے تھے اور جنہوں نے انسانیت عامہ کو خراب کر دیا تھا، اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک ان مفاسد کا علاج وہی ہے جو اس سے پہلے انبیائے کرامؑ کے ذریعہ ہو چکا ہے اور جس کا ایک اعلیٰ نمونہ اسلام کا وہ تاریخی کردار ہے جو عہدِ نبویؐ اور دورِ خلافت راشدہ میں وجود میں آیا۔ اسے ہم شاہ ولی اللہ کا نظریۂ انقلاب کہتے ہیں۔

اب ہم شاہ صاحب کی کتابوں سے ان کے ان افکار کا مختصر خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ دوم میں ارشاد ہوتا ہے۔

[1] معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین پر اپنی مخلوق پیدا کی، تو ان کی معاش و روزی بھی زمین پر

[1] حجۃ اللہ البالغہ کے ان اقتباسات کا اردو ترجمہ مولانا محمد اسمٰعیل گودھروی مرحوم کے ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ ہے۔ (مدیر)

متروکی اور زمین کی اشیائے سے انتفاع ان کے لئے مباح اور جائز گردانا۔ اور چونکہ حرص و آز کی وجہ سے ان کے نزاعات و جھگڑے ہونے لگے تو حکم الٰہی یہ قرار پایا کہ کوئی انسان دوسرے انسان کی مخصوص مختص چیز میں کسی قسم کی مزاحمت و مداخلت نہ کرے......

" نیز چونکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے اور بلا باہمی تعاون کے انسان کی معاشی و معاشرتی تعمیر کی استقامت ناممکن ہے۔ اس لئے قضائے الٰہی سے انسانوں کے لئے باہمی تعاون واجب اور لازم کر دیا۔ نیز چونکہ نوع انسانی کا کوئی فرد بلا کسی سخت مجبوری کے تمدنی و عمرانی اور تمدنیات وعمرانیات کے دخل دائرے سے علیحدہ بے تعلق اور بے اثر نہیں رہ سکتا۔ اور اس کا اصل اور حقیقی سبب اور وجہ یہی ہے کہ انسان کے لئے اپنے مباح مال کا تحفظ ناگزیر ہے نیز اس مال مباح کا جو ہر انسان کے لئے مخصوص اور مختص ہو چکا ہے جس کے ذریعہ ہر انسان اپنی امداد و استعانت کرتا ہے، نمو اور اضافہ بھی ضروری ہے...."

اب اس مال میں نمو اور اضافہ شاہ صاحب کے الفاظ میں " بلا باہمی تعاون معاشی کے متعذر اور محال ہے اور اس تعاون کے کچھ ایسے طریقے ہیں کہ جن کے بغیر شہری زندگی کی استقامت متغیر اور دشوار ہو جاتی ہے....." اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ " میں کہتا ہوں، اس کی حقیقت وہی ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا مال اور ملکیت ہے .....اور کسی انسان کی ملکیت کے معنی یہ ہیں کہ اس چیز سے انتفاع کا حق سب سے زیادہ اس کو ہے، دوسرے کو نہیں ....."

پھر فرماتے ہیں:۔ " میں کہتا ہوں۔ اصل اس بارے میں یہ ہے کہ جس مباح چیز میں بہت سے لوگوں کے حقوق علی الترتیب لازم ہوں، تو ایسی صورت میں واجب یہی ہے کہ ترتیب کی اسی قدر رعایت کی جائے جس سے سب کو فائدہ پہنچے اور یہ فائدہ ایسا ہو جو کم سے کم سمجھا جائے....."

اس ضمن میں ایک حدیث بیان فرماتے ہیں اور وہ یہ ہے:۔

" آنحضرت صلعم نے ابیض بن حمال المآربی کو نمک کا ایک چشمہ دار قطعہ عطا کر دیا تھا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ نے اس کو نہ ٹوٹنے والا، نہ ختم ہونے والا مادہ دے دیا۔ راوی کہتا ہے یہ سن کر آنحضرت صلعم نے وہ قطعہ ان سے واپس لے لیا۔ میں کہتا ہوں، اس امر میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ جن معادن اور کانوں میں زیادہ محنت و مشقت کی ضرورت نہ ہو، ایسی معادن اور کانیں کسی ایک مسلمان کو دے دینا عام مسلمانوں کے حق میں مضرت رساں ہے اور ان کے حق میں ایک قسم کی ضیق اور تنگی ہے۔ پس آنحضرت صلعم نے اس قطعہ نمک کو ابیض بن حمال آربی سے واپس لے لیا۔"

اس تمہید کے بعد حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

کسی شہر کے اندر مثلاً دس ہزار آدمی اجتماعی زندگی بسر کرتے ہیں، اس وقت اس شہر کی مدنی شہری سیاست اور شہر کے باشندوں کے کسب اور پیشوں سے بحث ناگزیر ہوگی۔ وہ پیشے جن سے شہر کی معیشت متوازن نہ رہے، شاہ صاحب کے نزدیک فساد اور خرابی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس صورت میں عطیۂ حکمت الٰہی کے مطابق معروف و مستحسن طریقوں پر معروف و مستحسن کسب اور پیشے ان کے لئے لازم کرئے جائیں۔ اور رذیل و خسیس پیشوں سے ان کو روک دیا جائے تو شہری باشندوں کی حالت یقیناً درست ہو جائے گی۔

معاش کا یہ فساد شاہ صاحب کے نزدیک " شہر و ملک کے لئے ایسا متعدی ضرررساں مرض اور روگ ہے کہ شہر اور ملک کے تمام گوشوں میں پھیل جائے گا اور اس طرح عام ہو جائے گا کہ تمام باشندوں کو اپنی زد میں لے لیگا اور یہ مرض اور اس کا زہر شہر و ملک میں اس طرح جاری وساری اور پیوست ہو جائے گا۔ جس طرح کسی کو کتا کاٹ لیتا ہے اور اس کے سارے جسم میں اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے اور یہی وہ مہلک و خطرناک مرض تھا، جو عجمی ممالک میں بلائے بے درماں کی طرح تمام پر مسلط ہو چکا تھا چنانچہ خدائے قدوس نے اپنے پیغمبر صلعم کو القا فرمایا کہ اس مرض مہلک کا علاج کریں اور مرض کے اصل مادہ کا قلع قمع کردیں ....." (صفحہ ۲۸۲-۲۹۰)

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد معاشرے کے ان مفاسد کا ازالہ بھی تھا جو معیشت کے خراب طریقوں کی وجہ سے پیدا ہو چکے تھے۔

خود شاہ صاحب کے زمانے میں معاشرے میں اس قسم کے جو مفاسد پیدا ہو چکے تھے، آپ نے ان کا بھی ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

" اس زمانے میں شہروں کی بربادی کے دو بڑے اسباب ہیں، ایک یہ کہ بعض لوگوں کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ چونکہ وہ فوجی یا عہدے دار ہیں، اس لئے بیت المال پر ان کا حق ہے۔ اور اس طرح ان کا کسب معاش کا ذریعہ صرف بیت المال بن کر رہ گیا ہے۔ یا زہاد اور شعراء وغیرہ ہیں جن کو بادشاہوں کے صلہ کی عادت پڑ گئی ہے۔ اور اپنی معاش کا ذریعہ صرف بیت المال ہی کو سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور بغیر کسی خدمت کے بیت المال پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے ہاں جاتے ہیں اور ان میں کبیدہ خاطری پیدا کرتے ہیں اور شہری آبادی پر بارگراں بن کر رہ جاتے ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ کسانوں، تاجروں، پیشہ وروں اور دستکاروں پر گراں بار ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ اور ان پر حد سے زیادہ سختی کی جا رہی ہے جس سے اطاعت گزاروں پر مصیبت آتی ہے اور برباد ہو جاتے ہیں۔

اور وہ لوگ جو جری ہوتے ہیں، وہ حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ شہروں کی بہبود کا طریقہ یہی ہے کہ رعایا پر کم سے کم ٹیکس لگائے جائیں اور ضرورت کے مطابق محافظ و نگران مقرر کئے جائیں۔ اہلِ زمانہ کو اس اہم نکتہ سے آگاہ ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم" (ص۱۲۲ حصہ اول)۔

شاہ صاحب کا یہ فرمانا ولیتنبہ اھل الزمان بھذہ النکتہ (اہلِ زمانہ کو اس اہم نکتہ سے آگاہ ہونا چاہیئے) اپنے دور کے ارباب حکم کے لئے ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی دعوت امور دین کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی جملہ معاشی، سیاسی اور معاشرتی خرابیوں کی اصلاح پر بھی مشتمل تھی۔

رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدولت قیصری و کسریٰ کی سلطنتوں کے ختم ہونے کے معنی کیا تھے؟ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول میں اسے یوں بیان کیا ہے:۔

"آنحضرت صلعم کے عہدِ سعید میں وہ اقالیم صالحہ اور ممالک متمدنہ کہ جن میں معتدل مزاج کی تولید پیدا وار ہوا کرتی تھی، وہ دنیا کے دو بڑے زبردست بادشاہوں کے ماتحت تھے، ایک کسریٰ کہ عراق، یمن خراسان اور ان کے متصل کے تمام ممالک پر اس کا تسلط و اقتدار قائم تھا۔ اور ماوراء النہر اور ہندستان کے تمام بادشاہ، راجہ اس کے محکوم و باجگزار تھے۔ اور ہر سال انہیں کسریٰ کو ایک مقررہ خراج ادا کرنا پڑتا تھا۔

دوسرا قیصر تھا۔ شام، روم، اور اس کے نواح کے ممالک پر اس کا تسلط و اقتدار قائم تھا اور مصر، مغرب اور افریقہ وغیرہ کے تمام سلاطین اس کے زیرِ فرمان اور باج گزار تھے۔ ان دو زبردست شہنشاہوں کی دولت و طاقت کو توڑ دینا اور ان کے ملک پر تسلط و اقتدار قائم کر لینا ایسا تھا گویا تمام روئے زمین پر تسلط و اقتدار قائم کر لیا گیا۔ ان سلاطین کی غیر معتدل مرفہ الحالی اور مفرطانہ عیش پرستی کے جراثیم اور مہلک عادات و اطوار کی گندگیاں ان تمام ممالک میں سرایت کر چکی تھیں جو اُن کے تسلط و اقتدار کے زیرِ فرمان تھے۔ اور تمام باشندے ان کے رنگ میں رنگ چکے تھے۔ اس لئے ان کی عادات و اطوار اور رسوم و رواجات کو تبدیل کر دینا اور ان کو ان خطرناک مہلک جراثیم سے پاک صاف کر دینا گویا دنیا کے تمام ممالک کی اصلاح و درستگی تھی اگرچہ بعد میں جا کر ان امور نے ایک دوسری شکل اختیار کر لی۔......

"حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ ارادہ کیا کہ ملت و دین کی کجی کو دور کیا جائے اور ایک ایسی امت اور قوم تیار کی جائے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض پوری قوت سے انجام دے اور لوگوں کی فاسد رسوم کو یکسر تبدیل کرنے تو یہ امر اس بات پر موقوف تھا کہ ان ہر دو بڑی سلطنتوں کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا جاتا۔ اور اس مقصد کو سہولت و آسانی سے حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ان ہر دو جابر سلطنتوں سے تعرض کیا جاتا۔ کیونکہ انہی دو سلطنتوں کے حالات تمام متمدن اور صالح ممالک میں سرایت کئے ہوئے

تھے یا سرایت کئے چلے جاتے تھے۔ پس اللہ تعالےٰ نے ان ہر دو سلطنتوں کے زوال اور قلع قمع کا فیصلہ کیا اور خود آنحضرت صلعم نے اس کی خبر دی کہ ھَلَکَ کسریٰ ولا کسریٰ بعدہ ھَلَکَ قیصر ولا قیصر بعدہ۔ (کسریٰ ہلاک ہوا، اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا، اور قیصر ہلاک ہوگیا، اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا) اور حق اس طور پر نازل ہوا کہ روئے زمین سے باطل کی جڑیں اس طریقے سے اکھاڑ دی گئیں۔ آنحضرت صلعم اور آپؐ کے صحابہ کے ذریعہ عرب سے باطل کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اور پھر عرب کے ذریعہ ان ہر دو جابر سلطنتوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اور دنیا کو پاک و صاف کر دیا گیا۔ وللہ الحجۃ البالغہ .....''

ایک اور جگہ شاہ صاحب سلاطین عجم و روم کی بد اعمالیوں کا مقابلہ اپنے دور کے بادشاہوں، رئیسوں اور امیروں سے یوں کرتے۔ لکھتے ہیں۔

''معلوم ہونا چاہیئے کہ سلاطین عجم و روم قرن با قرن سے سلطنتوں کے وارث چلے آ رہے تھے۔ اس لئے یہ لوگ سرتاپا دنیوی لذتوں اور عیش کوشیوں کے عادی ہو چکے تھے۔ آخرت کو بالکل فراموش کر چکے تھے شیطان ان پر پوری طرح غالب آ چکا تھا اور انہی امور کو انہوں نے مقصد حیات سمجھ لیا تھا... شدہ شدہ یہ حالت ہوگئی کہ وہ امیر، رئیس، یا سردار جس کی کمر کی پیٹی اور تاج کی قیمت ایک لاکھ درہم سے کم ہوتی۔ اس پر طعن و تشنیع کیا کرتے۔ اسی طرح وہ شخص جس کے پاس عالی شان محل، شاندار قصر و ایوان، حوض، حمام، باغات، خوبصورت قیمتی چوپائے، گھوڑے، حسین غلام و خدام اور لونڈیاں نہ ہوتیں.... اس پر طعن و تشنیع کیا کرتے۔ اس قسم کے امور کا ذکر بہت طویل ہے۔ اور ان کی داستانوں کے دہرانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اپنے ملک کے بادشاہوں، رئیسوں اور امیروں کا حال ہی دیکھ لو۔

غرض اس قسم کے مہلک اور خطرناک امور ان لوگوں کی معاشرت کے اصول اور جزو زندگی بن گئے تھے اور ایسی خطرناک شکل اختیار کر لی تھی کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے کر دیئے جاتے تب بھی ان کے دلوں سے ان کا نکلنا دشوار تھا۔ شہر و ملک کے تمام اطراف و جوانب میں یہ لا علاج امراض اس طرح پھیل گئے تھے کہ لوگ ایک عام مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے.... تمام کے دامن اس سے الجھ گئے تھے اور تمام کو عاجز و مغلوب کر کے رکھ دیا تھا.....''

واٰخر میں جب دنیا میں یہ عظیم ترین مصیبت عام ہوگئی اور یہ مہلک و خطرناک مرض نہایت سخت ہوگیا۔ روم و عجم کے تمدن غیر صالحہ نے دنیا کی کمر توڑ دی تو ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ مقربین کی ناراضگی ظاہر ہوئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اسی میں تھی کہ اس مہلک مرض کا علاج کیا جائے... اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ پیغمبر صلعم کی سلطنت قائم کر کے عجمیوں کی سلطنت ختم کر دی جائے اور یہ شکل اسی طرح وقوع پذیر ہوئی

کہ هَلَكَ كِسْرَىٰ فَلَا كِسْرَىٰ بَعْدَهُ وَهَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ۔"

شاہ صاحب نے "البدور البازغہ" میں معاشی فراغت (ترفّہ) میں ایک حدِ اعتدال قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔ فرماتے ہیں:" اس بارے میں دو متعارض قیاس ہیں۔ ایک یہ کہ معاشی فراغت اچھی چیز ہے۔ طبیعت اس کا تقاضا کرتی ہے۔ اس سے مزاج، دماغ اور دل صحیح رہتا ہے۔ اخلاق اور علوم اس کی وجہ سے استقامت اختیار کرتے ہیں اور یہ کہ کند ذہنی اور بدخلقی، بُرے کھانے اور دوسری بُری تدابیر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نیز ذہانت، نیک خلقی اور لطفِ مروت صحت مند تدبیروں کا حاصل ہے۔ اس ضمن میں دوسرا قیاس یہ ہے کہ معاشی فراغت بُری ہے کیونکہ اس کی وجہ سے جھگڑے ہوتے ہیں۔ اور انسان دوڑ دھوپ میں پڑ کر آخرت سے منہ موڑ لیتا ہے۔[1]

شاہ صاحب اِن دونوں پہلوؤں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ معاشی فراغت یعنی رفاہیت میں افراط و تفریط دراصل معاشی ناہمواری سے پیدا ہوتی ہے اور یہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

آج کل کے سیاسی نظاموں میں اہلِ علم صرف ایک امیر کی اطاعت کو مرکزیت کے لئے ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک اس سے خرابیاں پیدا ہونے کے زیادہ امکانات ہیں۔ شاہ صاحب اس کا علاج یہ تجویز کرتے ہیں کہ "ایک بورڈ" ہو۔ جس کے ارکان کے ہاتھ میں الگ الگ اختیارات ہوں۔ جہاں تک میری معلومات ہیں میں نے کسی مذہبی عالم کے ہاں اس طرح کا فکر نہیں پایا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک کامل ریاست میں جس میں بہت سے افراد ہوتے ہیں نظام قائم رکھنے کے لئے ایک ایسا آدمی ہونا چاہیئے جو اکیلا سب امور کی کفالت کرے اور وہ "الامام الحق" ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے:" وَقَلَّمَا يُوجَدُ ذَالِكَ" اور ایسا آدمی کم ہی ملتا ہے۔ چنانچہ اکثر دو تین امور ایک آدمی کی تحویل میں ہوتے ہیں اور باقی امور دوسرے کے پاس (البدور البازغہ ص۱۶۷)

شخصی حکومت کے بجائے عقلائے قوم کی حکومت کی یہ تجویز پارلیمنٹری نظام[2] کا نقطۂ آغاز ہو سکتی تھی کاش اس وقت اس کی طرف توجہ کی جاتی۔

"اقترابات" جن سے مراد قربِ الٰہی کے حصول کے ذرائع اور "ارتفاقات" جو عبارت ہیں معاشی، سیاسی و اجتماعی تدابیر سے شاہ صاحب کے نزدیک اسلام ان دونوں کے لئے صراطِ مستقیم پیش کرتا ہے۔ اس نے کثیریت و کرودیت کو ختم کرکے "ارتفاقات" میں راہِ وسط پیدا کی اور ہر قسم کے شرک کی تردید کرکے "اقترابات" کا صحیح مقام معین کیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی حکمت آفرین طبیعت کا یہ خاص کمال ہے کہ انہوں نے اس دور میں اسلام کی اس ہمہ گیر روح کو بے نقاب کیا۔ ایک تو انہوں نے روحانی زندگی و مادی زندگی (اقترابات اور ارتفاقات) کے ایک وحدت ہونے کا اثبات کیا۔ اور بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد معاشی ناہمواریوں کا خاتمہ کرنا بھی تھا دوسرے انہوں نے تمام مذاہب کے مشترک مبادی معین کئے اور اس طرح مسلمانوں کے سامنے زنگ آلودہ تمام ذہنی و حقیقتیں بے نقاب کیں جو صدیوں سے ان کی نظروں سے اوجھل تھیں۔

یہ اساسی نظریہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کی اس دعوت کا جسے میں ان کی "دعوتِ انقلاب" کا نام دیتا ہوں۔ (بہ شکریہ الرحیم)

---

[1] البدور البازغہ ص۵۵-۵۶ [2] ہماری قرآنی اصطلاح میں شاورتی نظام کہنا زیادہ صحیح ہے۔ پارلیمنٹری نظام کے تحت عمدہ جھگڑے سامنے آجاتے ہیں جو آجکل پارلیمنٹری اور صدارتی طرز کے سلسلے میں پیدا ہوتے ہیں۔ [3] شاہ صاحب کی تعلیم کا یہ حصہ غیر واضح رہ گیا ہے جس سے ذہن ابن العربی والکلامی مسلک کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جس کی رو سے کہا یہ جاتا ہے کہ عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ یہ مسلک قرآن کریم کے خلاف ہے۔ (طلوعِ اسلام)۔

مجلسِ اقبالؒ

مثنوی: ـــــ پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

باب: ـ حرفے چند با اُمتِ عربیہ

گزشتہ باب میں حضرت علامہؒ نے بتایا تھا کہ دورِ حاضرہ کی ابلیسی سیاست کس قدر انسانیت سوز ہے اور مسلمانوں کو کس طرح اس اہرمنی بساط سے کنارہ کر قرآنی سیاست کے دامن میں پناہ لینی چاہیئے۔ زیرِ نظر باب میں وہ بالخصوص عربی ممالک سے مخاطب ہوتے ہیں کیونکہ ان ممالک میں مغربی حکومتوں کے اقتدار و استبداد کے بڑھنے کے ساتھ تہذیبِ افرنگ کی لعنت بھی اپنے پاؤں پھیلائے چلی جا رہی تھی اور چونکہ یہ ممالک اسلام کے اولین گہوارہ اور ان میں بسنے والی اقوام اس کی پہلی مشعل بردار تھیں اس لئے ان کا اس سیاست سے متاثر ہو جانا بڑے دور رس اثرات کا حامل ہو سکتا تھا۔ وہ پہلے امتِ عربیہ کو یاد دلاتے ہیں کہ وہ کس طرح اسلام کی سب سے پہلی علمبردار جماعت تھی۔ وہ ان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ

اے درو دشتِ تو باقی تا ابد نعرهٔ لا قیصر و کسریٰ کہ زد؟

خدا تمہاری بستیوں کو ابد الآباد تک آباد رکھے۔ یہ بتاؤ کہ وہ کون سی قوم تھی جس نے سب سے پہلے دنیا میں یہ نعرہ بلند کیا کہ ملوکیت نوعِ انسانی کے لئے لعنت ہے۔ اس لئے اس کا وجود باقی نہیں رہنا چاہیئے۔ اور صرف یہ نعرہ ہی بلند نہیں کیا بلکہ ایسا عملاً کر کے دکھا دیا۔ تم ہی نے وہ نعرہ بلند کیا تھا اور تم ہی نے دنیا سے قیصر و کسریٰ کا نام داستان تک مٹا کر رکھ دیا۔

در جہاں نزد و درود دیدہ زد اولیں خوانندۂ قرآں کہ بود؟

وہ کون سی قوم تھی جس نے اس دُنیا میں سب سے پہلے قرآن کی تلاوت کی تھی؟

رمزِ الا اللہ کرا آموختند؟ — ایں چراغِ اوّل کجا افروختند؟

وہ کون سی قوم تھی جسے سب سے پہلے یہ تعلیم دی گئی تھی کہ دنیا میں خدا کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی محکومی اختیار کی جائے۔ اطاعت اور محکومی صرف قوانینِ خداوندی کی جائز ہے اور کسی کی جائز نہیں۔ یہ بتاؤ کہ اس ظلمت کدۂ عالم میں توحید کا یہ چراغ سب سے پہلے کس قوم کے ہاں روشن ہوا تھا ــــ تمہارے ہی ہاں ایسا ہوا تھا۔

علم و حکمت ریزۂ از خوانِ کیست؟ — آیۂ فاصبحتم اندر شانِ کیست؟

یہ کہو کہ دنیا نے علم و حکمت کس قوم سے سیکھا تھا اور وہ کون سے افراد تھے جنہیں رنگ۔ نسل۔ زبان۔ وطن۔ وغیرہ کی نسبتوں سے بلند ہو کر صرف ایمان کے اشتراک سے باہمی بھائی بھائی بنا دیا گیا تھا۔ وہ تمہیں تھے جن کے متعلق خدا نے کہا تھا کہ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ (۳/۱۰۳) "تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں سخت دشمن تھے۔ خدا نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی اور اس طرح تمہیں باہمی بھائی بھائی بنا دیا۔"

علامہ اقبالؒ نے ان ابیات میں یوں تو صدرِ اوّل کے عرب (مسلمانوں) کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے لیکن غور سے دیکھئے تو ساتھ کے ساتھ عربوں سے یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ ذرا سوچو کہ تم کیا تھے اور اب کیا ہو چکے ہو تم نے دُنیا سے ملوکیت کو ختم کیا اور اب تم دنیا میں، ملوکیت کی لعنت میں سب سے زیادہ شدت سے گرفتار ہو۔ تم نے دنیا کے سامنے قرآن پیش کیا اور اب قرآن کی تعلیم سے سب سے زیادہ دور تم ہو۔ تم نے دنیا کو حقیقی آزادی کا سبق دیا۔ اور اب تم بدترین غلامی کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہو۔ تم نے دنیا میں علم و حکمت کے چراغ روشن کئے اور اب دنیا میں سب سے زیادہ جہالت کی تاریکیاں تمہاری ہی سرزمین پر چھا رہی ہیں۔ سوچو کہ یہ تغیر کیسے آیا؟

اس کے بعد حضرت علامہ کہتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ تمہیں یہ سب نعمتیں کس ذاتِ گرامی کے صدقے میں ملی تھیں؟ ــــ اور اس کے بعد وہ چند اشعار سامنے آتے ہیں جن کی مثال نعتیہ لٹریچر میں کم ملے گی ــــ حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی اکرمؐ کی حمد و ستائش کے مقامات میں علامہ اقبالؒ وجد و کیف کی انتہائی گہرائیوں میں ڈوب جاتے ہیں اور اس سے ان کا کلام ان بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے جن کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ فرماتے ہیں کہ یہ سب تغیرات حضور نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی کے تصدق ہوئے تھے۔

از دم سیراب آں اُمیّ لقب لالہ رست از ریگِ صحرائے عرب

یہ اُسی سحابِ کرم کی گہر باریوں کا صدقہ تھا کہ عرب جیسی بے برگ وگیاہ زمین سے لالہ و یاسمن قطار اندر قطار محفل آرائے عالم ہوئے۔

حریت پروردۂ آغوشِ اوست یعنی امروزِ اُمم از دوشِ اوست

اسی ذاتِ گرامیؐ نے دنیا کو سب سے پہلے صحیح آزادی سے روشناس کرایا۔ آج دنیا میں جس قدر علم و آزادی کا چرچا ہے، یہ سب چودہ سو سال پہلے کی روشن کردہ، شمعِ حجازی کی کرنیں ہیں۔

او دلے در پیکرِ آدم نہاد او نقاب از طلعتِ آدم کشاد

حضورؐ کی بعثت سے پہلے انسان، فقط آب و گل کا ایک جسدِ بے جان تھا۔ اس میں زندگی کی نمود اور قلب کی تپش آپ کی تعلیم سے ہوئی۔ اس سے پہلے کسی کو معلوم نہ تھا کہ انسان میں فطرت نے کس قدر لامتناہی قوتیں ودیعت کر رکھی ہیں۔ حضورؐ کی آمد سے انسان کا مستقبل بے نقاب ہو کر سامنے آیا اور ہر طرف سے یہ نعرہ بلند ہوا کہ

برخیز کہ آدم را ہنگامِ نمود آمد ایں مشتِ غبارے را انجم بہ سجود آمد

نبی اکرمؐ کی حقیقت کشا تعلیم اور عدیم النظیر عمل سے جو انقلاب دنیا میں آیا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ

ہر خدا دندِ کہن را او شکست ہر کہن شاخ از نمِ او غنچہ بست

اس نے باطل کے "ایک ایک خدا" کے "ٹکڑے ٹکڑے" کر دئے۔ اور شجرِ انسانیت کی جو شاخیں یکسر خشک ہو چکی تھیں آپؐ کی حیات اور تعلیم سے ان میں پھر سے برگ و بار پیدا ہو گئے۔

گرمیٔ ہنگامۂ بدر و حنین حیدرؓ و صدیقؓ و فاروقؓ و حسینؓ

آپ کے جذبۂ ایمان و عمل سے دنیا میں حق و باطل کے معرکے گرم ہوئے اور حضورؐ کی تعلیم و تربیت سے ایسی جلیل القدر ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے دنیا کی بساطِ کہن کو اُلٹ کر رکھ دیا۔

سطوتِ بانگِ صلوٰت اندر نبرد قرأتِ الصّٰفّٰت اندر نبرد

حضورؐ نے جہاں مسجد میں بیٹھ کر ایسے ایسے مجاہد تیار کئے وہاں ان مجاہدوں کو یہ بھی سکھایا کہ وہ عین میدانِ جنگ میں کس طرح خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر دنیا کو بتا دیں کہ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین — ہماری صلوٰۃ و مناسک۔ ہمارا مرنا اور جینا سب اس خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے ہے۔ جو تمام نوعِ انسانی کی عالمگیر ربوبیت کا ضامن ہے۔ میدانِ جنگ میں مجاہدین کی یہ صفیں اس بلند و بالا حقیقت کی گواہی دیں کہ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ (۳۷/۴) تمہارا حاکم اور آقا صرف ایک خدا ہے۔ اس کے

کوئی ایسی ہستی نہیں جن کے سامنے جھکا جائے۔

تیغ ایوبی نگاہ بایزید — گنج ہائے ہر دو عالم را کلید

آپؐ کی تعلیم نے دین و سیاست کو اس طرح ایک دوسرے میں سمو دیا کہ اس سے ایک طرف صلاح الدین ایوبیؒ جیسے مردِ میدان پیدا ہوئے اور دوسری طرف بایزید بسطامیؒ جیسے مردِ انسان۔ دین و سیاست کی یہی وہ وحدت تھی جس نے دنیا و آخرت کی کامیابیوں کے دروازے کھول دیئے۔

حضورؐ کی تعلیم سے اتنا ہی نہیں ہوا کہ فقر و شاہی یکجا ہو گئے۔ بلکہ یہ بھی کہ فلسفہ و روحانیت جنہیں اس سے پہلے ایک دوسرے کی ضد سمجھا جاتا تھا — ایک ہی قالب میں سمو گئے۔

عقل و دل را مستی از یک جام مے — اختلاطِ ذکر و فکر روم و رے

قرآن کی تعلیم کا اثر تھا کہ سوز و ساز رومیؒ اور پیچ و تاب رازیؒ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (۳ / ۱۹۰–۱۹۱) "یقیناً زمین و آسمان کی تخلیق اور لیل و نہار کی گردش میں ان اربابِ عقل و بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں جو کھڑے بیٹھے لیٹے قوانینِ خداوندی کو اپنے پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ اور تخلیق کائنات پر غور و فکر کے بعد پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو نے اس کارگہِ کائنات کو نہ بے مقصد پیدا کیا ہے اور نہ ہی تخریب کے لئے۔" یہ ہیں وہ اربابِ "ذکر و فکر" جو قرآنی تعلیم سے وجود میں آتے ہیں۔ حضور نبی اکرمؐ کی تعلیم و تربیت سے ایسی ہی امت متشکل ہوئی تھی جس میں حالت یہ تھی کہ

علم و حکمت شرع و دیں نظمِ امور — اندرونِ سینہ دل ہا ناصبور

دماغ ایسے کہ وہ جہانبانی و جہاں کشائی کے لاینحل مسائل کو سلجھا کر رکھ دیں۔ تفقہ کا یہ عالم کہ شرع و دین کا کوئی گوشہ ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ ہو۔ اور اس کے ساتھ سینوں میں ایسے مضطرب قلب کہ وہ انسانیت کی غمگساری میں ہمیشہ تڑپتے رہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کے ذوقِ لطیف اور تحسین زیبائی کا یہ عالم کہ

حسنِ عالم سوز الحمرا و تاج — آنکہ از قدوسیاں گیرد خراج

انہوں نے الحمرا و تاج جیسے حسین و جمیل شاہکار پیدا کئے جو انسان تو انسان، آسمان کے فرشتوں سے بھی داد لئے بغیر نہیں رہتے۔

یہ تمام علم و حکمت ذوق و شوق۔ سعی و عمل۔ یہ تمام قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال؎

ایں ہمہ یک لحظہ از اوقات اوست یک تجلی از تجلیاتِ اوست

یہ سب اس مجموعۂ حسنؐ و خوبی "اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کی حیاتِ طیبہ کا ایک پرتو تھا۔ یہ سب اس لئے تھا کہ اس امت نے حضورؐ کی شمعِ زندگی کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ بنایا تھا۔

ظاہرش ایں جلوہ ہائے دلفروز باطنش از عارفاں پنہاں ہنوز

اور یہ سب کچھ حضورؐ کے ان اعمالِ حیات کا نتیجہ تھا جو محسوس طور پر دنیا کے سامنے آئے۔ باقی رہا مقامِ نبوت — سو وہ عام انسان تو ایک طرف، عارفوں کی نگاہیں بھی اس تک نہیں پہنچ سکیں — حضرت علامہؒ نے اس مقام کے متعلق کہا ہے کہ وہ عارفوں کی نگاہوں سے بھی ہنوز پنہاں ہے۔ اس میں ہنوز کا سوال ہی نہیں۔ یہ ہمیشہ پنہاں رہے گا۔ اس لئے کہ نبوت کی کنہ و حقیقت سے غیر از نبی واقف ہو نہیں سکتا۔ اور نبوت حضورؐ کی ذاتِ گرامی پر ختم ہو گئی۔ لہٰذا اب کوئی جان ہی نہ سکے گا کہ نبوت کی کیفیت و ماہیت کیا تھی۔

حمد بے حد مر رسولِ پاک را آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

خواجہ عطار کا شعر ہے۔

حمد بے حد مر خدائے پاک را آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

علامہ اقبالؒ نے اس شعر میں تصرف کیا ہے۔ لیکن ہماری بصیرت کے مطابق یہ تصرف، حقیقت سے تجاوز کر گیا ہے۔ اس میں ذرا کلام نہیں کہ انسانوں کو خدا کا آخری کلام نبی اکرمؐ کی وساطت سے ملا۔ رسالتِ محمدیہؐ نہ ہوتی تو دنیا ایمان اور کتاب سے محروم رہتی۔ لیکن قرآن کریم نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ حضورؐ کا فریضہ، دنیا تک خدا کا پیغام پہنچانا تھا۔ کسی انسان کو ایمان عطا کرنا، حضورؐ کے اختیار میں نہیں تھا۔ قرآن کا ارشاد اس باب میں واضح ہے جہاں کہا گیا کہ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ (۲۸/۵۶)۔ "یہ ضروری نہیں کہ جسے تو چاہے، وہ صحیح راستے پر لے آئے۔ صحیح راستے پر وہی آ سکتا ہے جو قانونِ خداوندی کے مطابق صحیح راستہ اختیار کرنا چاہے۔" اس آیت کے مطالب کے ضمن میں مولانا شبیر احمد عثمانی (مرحوم) یہ حاشیہ لکھتے ہیں۔

> یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف راستہ بتانا ہے۔ آگے یہ کہ کون راستہ پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے۔ کون نہیں پہنچتا۔ یہ آپ کے قبضۂ اختیار سے خارج ہے۔

اس باب میں حضورؐ کی شدتِ آرزو کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ـــــــ (۲۶/۳) تو تو شاید اس غم میں اپنی جان گھلا لے گا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے لیکن حضورؐ سے کہہ دیا گیا کہ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ. (۱۰/۹۹) کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں؟" لہذا جہاں تک انسانوں کے ایمان لانے کا تعلق ہے

(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا۔ تاکہ لوگ اس کے مطابق ایمان لائیں۔ اور حضورؐ نے اسے لوگوں تک پہنچا دیا ۔ اور

(۲) اس بات کو خدا نے انسانوں کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ جی چاہے تو اس پر ایمان لے آئیں اور جی چاہے اس سے انکار کر دیں ۔ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ـــــــ (۱۸/۲۹)۔ لہذا جہاں تک اس راہنمائی کا تعلق ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ وہ خدا کی عطا کردہ ہے۔ اس اعتبار سے خواجہ عطارؔ نے ٹھیک کہا تھا کہ

حمد بے حد مر خدائے پاک را آنکہ ایماں داد مشتِ خاک را

اور جہاں تک ایمان لانے کا تعلق ہے اسے انسان کے اختیار و ارادہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے نبی اکرمؐ سے کہہ دیا کہ یہ ضروری نہیں کہ جس کے متعلق آپ چاہیں وہ بالضرور ایمان لے آئے۔ یہاں تک حضورؐ نبی اکرم کی ذات اقدس و اعظم کا تذکرہ جلیلہ تھا۔ اب پھر خطاب ملّتِ عربیہ سے ہے۔ ارشاد ہے۔

حق تزا برّاں تر از شمشیر کرد ساربان را راکبِ تقدیر کرد

اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑی اہم خصوصیات سے نوازا تھا۔ تمہاری کاٹ شمشیر سے بھی زیادہ تیز تھی۔ تم شتربان تھے لیکن خدا نے تقدیرِ امم تمہارے ہاتھ میں دے دی تھی۔

بانگِ تکبیر و صلوٰت و حرب و ضرب اندراں غوغا کشادِ شرق و غرب

تمہاری نمازوں کی تکبیر اور میدانِ جنگ میں تمہاری للکار و یلغار نے دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ لیکن تمہاری یہ یلغار و پکار، تخریب و فساد اور سلب و نہب کے لئے نہیں تھی۔ اس میں کاروانِ انسانیت کے لئے کامیابی کی راہیں کشادہ ہونے کا راز پنہاں تھا۔ تمہاری صف آرائیاں اور رزم آزمائیاں انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے تھیں۔

اے خوش آں مجذوبی و دل بُردگی آہ زیں دل گیری و افسردگی!

لیکن کہاں تمہاری وہ رعنائی وزیبائی اور آج کہاں یہ اس قدر افسردگی اور درماندگی! کیا تم وہی قوم ہو؟

کار خود را اُمتاں بردند پیش　　تو ندانی قیمتِ صحرائے خویش

کسی زمانے میں اقوام عالم کی امامت تمہارے سپرد تھی۔ آج حالت یہ ہے کہ دنیا کی قومیں کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہیں اور تمہیں خود اپنے ملک کی اہمیت کا اندازہ تک نہیں۔

امتے بودی اُمم گردیدہ؟　　بزم خود را خود زہم پاشیدہ؟

تم مختلف قبائل وشعوب کی افتراق انگیز لعنت میں گرفتار تھے۔ ایمان کے رشتے نے تمہیں ایک اُمت بنا دیا۔ لیکن آج تم امتِ واحدہ کی بجائے پھر مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہو اور اس طرح تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنی محفل کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔

ہر کہ از بند خودی وارست، مرد　　ہر کہ با بیگانگاں پیوست، مرد

یاد رکھو! جس قوم نے اپنی خودی کو کھو دیا وہ تباہ ہو گئی۔ جو اپنوں سے کٹ کر دوسروں کے ساتھ جا ملا وہ ختم ہو گیا۔ تم یہی کچھ کر رہے ہو۔

آنچہ تو با خویش کردی کس نکرد　　روح پاکِ مصطفیٰؐ آمد بدرد!

جو کچھ تم نے اپنے ساتھ کیا ہے کسی قوم نے ایسا نہیں کیا ہو گا۔ تمہاری موجودہ حالت کو دیکھ کر نبی اکرمؐ کی روح پاک سخت درد آلود ہے۔

اے ز افسونِ فرنگی بے خبر　　فتنہ ہا در آستینِ او نگر

تمہیں کچھ علم ہی نہیں کہ اہلِ فرنگ تمہیں کس فریب میں مبتلا کر رہے ہیں۔ انہوں نے تم پر عجیب انداز کا جادو کر رکھا ہے اور تمہیں اس کا احساس تک نہیں۔ ذرا ہوش میں آؤ اور دیکھو کہ انہوں نے تمہاری تباہی کے لئے کس قدر فتنے اپنی آستین میں چھپا رکھے ہیں۔

از فریب او اگر خواہی اماں　　اشترانش را ز حوضِ خود براں

اگر تم ان کے فتنہ و فریب سے بچنا چاہتے ہو تو انہیں اپنے ملک سے باہر نکال دو۔ یاد رکھو!

حکمتش ہر قوم را بیچارہ کرد　　وحدتِ اعرابیاں را پارہ کرد

اہلِ مغرب کی مکاریوں اور فسوں سازیوں نے ہر قوم کو کمزور و ناتواں بنا کر رکھ دیا ہے۔ اسی نہج پر انہوں نے تمہاری وحدت کو بھی پارہ پارہ کر دیا ہے۔

تا عرب در حلقۂ دامش فتاد　　آسماں یک دم اماں او را نداد

یاد رکھو! اہلِ مغرب ہر ممکن تدبیر کریں گے کہ تم ان کی غلامی کے پھندے میں پھنس جاؤ۔ اگر تم ان کا فریب کھا گئے تو تمہاری زندگی تمہارے لئے مستقل عذاب بن جائے گی۔ ان کے حلقۂ دامِ فریب سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم پھر سے اپنے اندر صدرِ اول کے مسلمانوں کی سی صفات پیدا کرو۔

عصرِ خود را بنگرے صاحب نظر　　در بدن باز آفریں روحِ عمرؓ

تم اپنے زمانے کے تقاضوں پر نگاہ رکھو اور اپنے بدن میں پھر سے روحِ عمرؓ پیدا کرو۔

قوت از جمعیتِ دینِ مبیں　　دیں ہمہ عزم است و اخلاص و یقیں

تمہاری قوت کا راز، دین کے ساتھ وابستگی میں ہے ۔۔ دین کیا ہے؟ نہایت خلوص اور دیانت سے، وحی کے ابدی حقائق پر یقین رکھنا اور عزمِ راسخ سے ان پر عمل پیرا ہو جانا ۔ یہ کرو اور پھر دیکھو کہ تمہارا کھویا ہوا مقام کس طرح پھر سے تمہیں واپس ملتا ہے۔

مردِ صحرا پاسبانِ فطرت است　　تا ضمیرش رازدانِ فطرت است

سادہ طبعش عیارِ زشت و خوب　　از طلوعش صد ہزار انجم غروب

مردِ صحرا، نہایت سادہ دل ہوتا ہے۔ اس کی فطرت پاک اور ضمیر صاف ہوتا ہے۔ اس لئے وہ فطرت کا پاسبان ہوتا ہے۔ چونکہ اس کا ضمیر پاک ہوتا ہے اس لئے وہ اچھائی اور برائی کے پرکھنے کا معیار بن جاتا ہے۔ لہذا جب اس سورج کی نمود ہوتی ہے تو اس سے باطل کی ملمع کاریوں کے ہزاروں ستارے غروب ہو جاتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ انسان کا قلب جس قدر سادہ اور فریب اور ملمع کاریوں کی خباثتوں سے پاک ہوگا اس میں قبولِ حق کی صلاحیت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ اس کی فطرت خیر اور شر کی میزان بن سکتی ہے۔ خیر و شر کے پرکھنے کی کسوٹی صرف خدا کی وحی ہے۔ البتہ، جیسا کہ ابھی ابھی کہا گیا ہے جو قلب فریب کاریوں کی آلودگی سے پاک ہوگا، وہ حق کی طرف جلد آ جائے گا۔

بگزر از دشت و در و کوہ و دمن　　خیمہ را اندر وجودِ خویش زن

تو ملک اور وطن کی حد بندیوں سے آگے گزر جا۔ حکمتِ افرنگ نے تمہارے ہوا میں جو مصنوعی لکیریں کھینچ رکھی ہیں انہیں مٹاتے اور اپنی خودی میں ڈوب جا۔ پھر سے قلبِ صدیقؓ اور ایمان عمرؓ پیدا کر۔

طبع از بادِ بیاباں کردہ تیز　　ناقہ را سردہ بہ میدانِ ستیز

اپنی طبیعت میں تیزی اور جولانی پیدا کر اور باطل کے مقابلے کے لئے میدان میں نبرد آزما ہو جا۔

عصرِ حاضر زادۂ ایامِ تست　　مستیٔ او از مے گلفامِ تست

شارحِ اسرارِ او، تو بودہ | اوّلیں معمارِ او تو بودہ

اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ زمانہ علم و حکمت میں بہت ترقی کرگیا ہے لیکن تیرے لئے اس سے مرعوب ہونے کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانے نے یہ سب کچھ تمہارے ہی اسلاف سے مستعار لیا ہے۔ وہ عرب کے مسلمان ہی تھے جنہوں نے یورپ کو علم و حکمت سے آشنا کرایا۔

تا بہ فرزندی گرفت او را فرنگ | شاہدے گردید بے ناموس و ننگ

گرچہ شیریں است و نوشین است او | کج خرام و شوخ و بے دین است او

یہ تمام علم و حکمت تمہارے پیدا کردہ تھے۔ لیکن جب انہیں یورپ نے اپنی "فرزندی" میں لیا تو اپنے باطل نظریاتِ حیات کی تربیت سے اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ یہ شاہد رعنا، ننگ و ناموس سے عاری ہوگیا۔ یہ بظاہر نہایت نرم و نازک۔ حسین و جمیل اور شوخ و شنگ ہے لیکن لادینی کی وجہ سے انسانیت کی تمام صفاتِ حسنہ سے محروم ہو چکا ہے۔

مردِ صحرا! پختہ تر کن خام را

بر عیارِ خود بزن ایام را

اے مردِ صحرا! تو ایک بار پھر اُٹھ۔ اس علم و حکمت کو اپنے آغوش میں ایک مرتبہ پھر تربیت دے۔ ہر چیز کو دین کے میزان میں تول اور اس طرح ان کی تمام خامیوں کو دور کرکے انہیں پختگی عطا کردے۔

تو نے ایک دفعہ پہلے بھی ایسا کیا تھا اب پھر اسے دُہرا۔ زمانہ تیرا انتظار کر رہا ہے۔

مُفت

مجرب دوا برائے ——— دمہ۔ درد گردہ و پتھری

حاجی محمد دین۔ شیخ اینڈ سنز فیکٹری متصل گنیش کھوپرا ملز

لارنس روڈ ——— کراچی

نوٹ:۔ جوابی لفافہ ضرور آنا چاہیئے۔

نئے پڑوسی

نثار صاحب، احمد صاحب کے پڑوسی تھے۔ دونوں ایک ہی مکان کے دو حصوں میں رہتے تھے۔ لوگ انہیں دیکھ کر کہتے کہ "بھئی یہ کتنے اچھے پڑوسی ہیں"۔ احمد صاحب کے گھر اگر زیادہ مہمان آجائے تو نثار صاحب کی بیوی آکر کھانا پکانے میں مدد دیتیں نثار صاحب کے مُنے میاں کبھی اپنی اماں اور ابو سے خفا ہوتے تو سیدھے احمد صاحب کے گھر آتے اور آتے ہی کہتے "چاچی۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ میں امی کے گھر نہیں جاؤں گا"

یہ دو گھرانے ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔ دو تین سال یوں ہی گزر گئے پھر نثار صاحب کا تبادلہ کراچی ہو گیا۔ احمد صاحب، ان کی بیگم اور بچوں کو بہت افسوس ہوا۔ انہیں ایسا لگا جیسے ان کا اپنا گھر آدھا رہ گیا ہو۔

نثار صاحب کے مکان میں نئے کرایہ دار آ گئے.... یہ تھے اکمل صاحب ــ ایک وہ ــ ایک ان کی بیوی اور ایک بچی ــ احمد صاحب اپنی بیوی کے ساتھ نئے پڑوسیوں سے ملنے

گئے۔ مگر وہ لوگ بڑی رکھائی کے ساتھ ملے۔ احمد صاحب کی بیگم نے گھر آکر احمد صاحب سے یہ بات کہی۔ مگر ان کا دل بہت بڑا تھا۔ بولے "بھئی ممکن ہو وہ لوگ کسی وجہ سے پریشان ہوں اور یہ تو میرا فرض تھا۔ ہر آدمی کو اپنا کام کرنا چاہیئے۔ دوسرا کیا کرتا ہے ہمیں اس سے کیا"

دن بیتتے چلے گئے۔ اکمل صاحب یا ان کی بیگم احمد صاحب کے ہاں کبھی نہ آئیں۔ احمد صاحب ہی راہ چلتے اکمل صاحب کو سلام کر لیتے۔ مگر اکمل صاحب نے کبھی پہل نہ کی۔ تم جانو، ایسی باتوں کا اثر کب تک نہ ہوتا۔ احمد صاحب اور ان کی بیوی نے بھی اپنے نئے پڑوسیوں سے بات کرنی چھوڑ دی۔

رمضان شریف کا مہینا آیا۔ یہ مہینہ برکتوں اور رحمتوں کا مہینا ہوتا ہے۔ اس سے بڑی برکت اور کیا ہوگی کہ اللہ میاں نے اسی مہینے میں اپنی آخری کتاب "قرآن مجید" ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتارنی شروع کی تھی۔ ایک دن عصر کی نماز کے بعد احمد صاحب قرآن مجید پڑھ رہے تھے اور جب وہ اس آیت پر پہنچے کہ

"اپنے والدین کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ .... اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ چاہے وہ رشتہ دار ہوں یا اجنبی" (۴/۳۶)

تو سوچنے لگے کہ میں اپنے پڑوسیوں کے رنگ ڈھنگ سے ایسا ہارا کہ قرآن شریف کا یہ حکم بھی بھول گیا۔ اپنی بیگم کو فوراً آواز دی اور کہا "بھئی آج افطار کے لئے جو کچھ پکایا ہے اور بازار سے جو پھل آئے ہیں ان میں سے کچھ اکمل صاحب

کے یہاں بھی بھیج دو۔

بیگم احمد نے دو تین طشتریوں میں سب چیزیں قاعدے سے لگا کر اکمل صاحب کے ہاں بھیج دیں۔ وہ لوگ بھی روزے رکھ رہے تھے۔ اس بات کا ان کے دل پر اثر ہوا اور سوچنے لگے کہ "اگر عبادت سے دل نہ بدلیں اور ہم زیادہ اچھے مسلمان اور آدمی نہ بنیں تو عبادتوں سے فائدہ ہی کیا؟" یہ سوچ کر وہ شرمندہ ہوئے اور دوسرے دن صبح ہی صبح اکمل صاحب نے آکر احمد صاحب سے کہا۔

"بھائی صاحب! آج آپ اور بھابی ہمارے گھر روزہ افطار کریں اور ہاں اپنے ننھے اور ننھی کو ضرور ساتھ لائیے گا۔"

اُس دن سے ان دونوں گھرانوں کا میل بڑھ گیا۔ دیکھا بھئی! قرآن مجید کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے نے دو گھروں کے تعلقات کو کیسا اچھا بنا دیا۔ اگر ہم قرآن مجید کی سب باتوں پر چلنے لگیں تو زندگی کیسی پیاری پیاری ہو جائے گی۔

"بھائی جان"

اسلامی معاشرت

مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کے لئے قرآنی ارشادات۔ بالخصوص عورتوں۔ بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اس سے بہتر کتاب آپ کو نہیں مل سکے گی۔ قیمت:۔ دو روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ طلوع اسلام ۲۵-بی - گلبرگ - لاہور